تقریراتِ رافعی بَرتَأَمُّلاتِ شامی

محمد شبیر*

ABSTRACT

Imam Ibn-e-'Aabideen Shami was a great scholar. His book "Radd-ul-Muhtar" has great importance in Islamic Jurisprudence. In this book when Imam Shami disagrees with the opinion of other scholars or he has an objection on a decision etc., he uses three technical words: "Ta'ammal, Fata'ammal and Fal'uta'ammal". These three words are called "Ta'ammulat-e-Shami". In these "Ta'ammulat" he provokes scholars and his readers to investigate these "Ta'ammulat". Some scholars discussed these "Ta'ammulat" in their books. Imam Rafei in his book "Taqrirat-ur-Rafei" discussed many "Ta'ammulat". "Ta'ammulat" of "Bab-ul-Wazu & Bab-ul-Ghusl" of "Radd-ul-Muhtar" and their explanation from "Taqrirat-ur-Rafei" has been analysed in this article.

Keywords: Ta'ammulat, Radd-ul-Muhtar, Taqrirat, Shami, Ibn-e-'Abideen, Abdul Qadir Rafa,ii.

امام سید محمد امین عابدین ابن سید شریف عمر عابدینؒ کا شمار متأخرین فقہاء میں ہوتا ہے، آپ نے فقہ واصول فقہ پر کئی اہم کتابیں تالیف فرمائیں۔ آپ کی سب سے اہم تصنیف ''ردّالمحتار علی الدرّ المختار'' ہے جو فقہ حنفی میں مستند حوالے کی حیثیت رکھتی ہے اور ''فتاوی شامی''، ''حاشیہ ابن عابدین'' اور ''حاشیہ شامی'' کے نام سے معروف ہے، امام ابنِ عابدین شامیؒ ۱۱۹۸ ہجری بمطابق ۱۷۸۴ عیسوی، دمشق میں پیدا ہوئے، اور ۱۲۵۲ ہجری بمطابق ۱۸۳۶ عیسوی وفات پائی۔ ''ردّالمحتار''، ''الدرّ المختار'' کا حاشیہ ہے اور ''الدرّ المختار''، ''تنویر الابصار'' کی شرح ہے۔

تعارفِ موضوع

''تَأَمُّلاتِ شَامِی'' سے مراد امام ابن عابدین شامیؒ کی تصنیف ''ردّالمحتار علی الدرّ المختار'' کی ایک مخصوص اصطلاح ہے، اس کتاب میں امام شامیؒ مسائلِ فقہ بیان کرتے ہوئے مخصوص الفاظ ''تَأَمَّلْ (غور کریں)، فَتَأَمَّلْ (پس غور کریں) اور فَلْيُتَأَمَّلْ (پس اس پر غور کیا جانا چاہیے)'' استعمال کرتے ہیں، امام شامیؒ جب کسی مسئلہ میں دو مضبوط اور متضاد موٴقف پاتے ہیں یا راجح قول کے خلاف رائے رکھتے ہیں یا انہیں کسی قول پر اعتراض ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ تو مذکورہ بالا تین الفاظ میں سے کوئی ایک استعمال کرتے ہیں۔ ''تَأَمُّلاتِ شَامِی'' پر مزید گفتگو سے پہلے ''تَأَمَّلْ'' کی لغوی تحقیق پیش کی جارہی ہے۔

* ریسرچ اسکالر شیخ زاید اسلامک سنٹر کراچی یونیورسٹی برقی پتا: mshabir551@gmail.com

''تَأَمَّلْ'' کی لغوی تحقیق:

المنجد میں ہے: ''**اَمَلَہ(ن) اَمَلًا وَ اَمَّلَہ تَاْمِیْلًا**: امید کرنا۔ **تأَمَّلَ الْاَمْرَ وَ فِیْہِ**: غور کرنا۔ دیر تک سوچنا''(۱)

القاموس الوحید میں ہے: ''**اَمَلَہُ اَمْلًا و اَمَلًا و اِمْلًا**: امید رکھنا، امید کرنا۔ **اَمَّلَہ تَأْمِیْلًا**: امید رکھنا، امید دلانا۔ **تَأَمَّلَ**: توقف کرنا، تأمل کرنا۔ **الشیئَ و فیہ**: غور وفکر کرنا، بار بار سوچنا''(۲)

مذکور بالا لغوی تعریفات کے مطابق ''تَأَمّلْ'' کی تعریف میں قدرِ مشترک غور وفکر کرنا، بار بار یا دیر تک سوچنا ہے، امام شامیؒ اسی مقصد کے تحت ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں کہ جن مقامات میں وہ ''تَأَمّلْ'' کی اصطلاح استعمال کریں، محققین ان میں غور وفکر کریں، بار بار سوچیں۔ امام شامیؒ کے ان ''تَأَمُّلات'' کو محققین نے دقتِ نظر سے دیکھا اور ان کی وضاحت کی مقدور بھر کوشش کی، ان محققین میں امام عبد القادر رافعیؒ سرِ فہرست ہیں جنہوں نے ''تقریراتُ الرافعی'' کے نام سے ''رد المحتار علی الدر المختار'' کا حاشیہ تحریر فرمایا، جس میں امام شامیؒ کے کئی ''تَأَمُّلَات'' پر بھی بحث فرمائی، اس مختصر مقالہ میں ''فتاوی شامی'' کی ''کتاب الطهارۃ'' کے باب الوضو اور غسل کے ان ''تَأَمُّلَات'' کو زیرِ بحث لایا جائے گا جن کی امام رافعیؒ نے وضاحت فرمائی ہے۔

اس مختصر مقالہ میں ہر ''تَأَمّلْ'' کی ابتدا میں مقالہ نگار کی طرف سے ''تَأَمّلْ'' کی مختصر وضاحت پیش کی جائے گی، اس کے بعد قوسین میں ''الدرّ المختار'' کی عبارت، اس پر امام شامیؒ کا حاشیہ یعنی ''ردّ المحتار علی الدرّ المختار'' کی عبارت اور امام شامیؒ کا ''تَأَمّلْ'' نقل کیا جائے گا، پھر نئے پیرا گراف میں امام شامیؒ کے ''تَأَمّلْ'' پر ''تقریرات الرافعی'' سے امام رافعیؒ کا کلام نقل کیا جائے گا، اس کے بعد ان دونوں علماء کے ذکر کردہ مسئلہ پر فقہ کی مختلف کتب کی عبارات بطور تائید، تردید یا تطبیق پیش کی جائیں گی، تمام عربی عبارات کا ترجمہ قوسین میں تحریر کیا جائے گا، لیکن ''الدر المختار'' کی عبارت سیاق وسباق کے ساتھ پیش کی جائے گی تاکہ جو مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے اس کا مکمل مفہوم واضح ہو جائے، آخر میں مقالہ نگار کی طرف سے فقہاء کی عبارات کی روشنی میں ہر ''تَأَمّلْ'' پر امام شامیؒ اور امام رافعیؒ کے کلام کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا، فقہاء کی بعض عبارات کی وضاحت یا اضافہ جات کے لیے مقالہ نگار کی طرف سے بڑی قوسین استعمال کی جائیں گی۔

تَأَمّل نمبر ۱ نماز کے لیے طہارت کا حکم

''تنویر الابصار'' کے شارح امام علاؤ الدین محمد بن علی الحصکفیؒ نے اپنی تصنیف ''الدر المختار'' کی ''کتاب الطہارۃ'' میں طہارت کو نماز کے تمام ارکان کے لیے ضروری قرار دیا جس پر ''الدر المختار'' کے حاشیہ نگار امام ابنِ عابدین شامیؒ نے ''الدر المختار'' میں منقولہ ''الفیض'' کی عبارت کی بنیاد پر ''تَأَمّلْ'' کہہ کر امام حصکفیؒ پر یہ اعتراض

کیا کہ بعض اوقات طہارت کے بغیر نماز ادا کی جاتی ہے لہٰذا یہ ضروری شرط نہ رہی، امام رافعیؒ نے امام شامیؒ کے اعتراض کو یوں رد فرمایا کہ "الفیض" کی عبارت "فاقد الطہورین" یعنی جسے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے پانی و پاک مٹی دستیاب نہ ہو، کے بارے میں ہے اور اسے بلا طہارت نماز پڑھنے کی بجائے اس کی مشابہت اختیار کرنے کا حکم ہے نیز امام شامیؒ نے "الفیض" کی عبارت کی شرح میں خود فرمایا کہ "فاقد الطہورین" نماز کی مشابہت اختیار کرے گا۔ ذیل میں امام شامیؒ اور امام رافعیؒ کی عبارات کے علاوہ "الفیض" کی عبارت اور اس پر امام شامیؒ کا کلام نقل کیا جائے گا۔

امام شامیؒ "ردالمحتار" کی "کتاب الطہارۃ" میں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) "شارحؒ یعنی 'تنویر الابصار' کی شرح 'الدر المختار' کے مصنف امام حصکفیؒ کا قول: طہارت نماز کے ساتھ خاص ہے اور نماز کے تمام ارکان میں ضروری ہے) (میں [امام شامیؒ] کہتا ہوں: میرے نزدیک ان کے کلام میں یہ تخصیص بے فائدہ ہے، ہاں! امام حلبیؒ نے 'البحر' میں طہارت کے کسی بھی حال میں معاف نہ ہونے کی علت بیان کرنے کے بعد نیت کو اس سے مستثنیٰ کرنے کے لیے اسے ذکر کیا، کیونکہ ہر رکن میں نیت کا ہونا شرط نہیں، اور آپ کو 'الدر المختار' کی عبارت [شرط بھا مختص] سے نیت سے استثنیٰ کا علم ہو گیا، نیز شارحؒ عنقریب 'الفیض' کے حوالے سے بیان کریں گے کہ بعض اوقات طہارت بالکل ہی معاف ہو جاتی ہے پس یہ لازمی اور دائمی شرط نہ رہی، اگر اس سے ان کی مراد بغیر عذر لازم ہونا ہے تو اس سے استقبالِ قبلہ اور ستر عورت کے ذریعے اعتراض وارد ہو گا کیونکہ یہ دونوں بغیر عذر کے طہارت کی طرح [لازم] ہیں، غور کریں"۔[۳]

امام رافعیؒ "تقریرات الرافعی" میں امام شامیؒ کے اس "تَأَمَّلْ" کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) "(قولِ شامیؒ: شارحؒ عنقریب "الفیض" کے حوالے سے بیان کریں گے کہ بعض اوقات طہارت بالکل ہی معاف ہو جاتی ہے الخ)۔ 'الفیض' سے منقولہ عبارت میں حقیقی نماز کی ادائیگی کی بجائے اس کی مشابہت اختیار کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ امام شامیؒ عنقریب امام طحطاویؒ سے نقل کریں گے، لہٰذا یہ طہارت کے نماز کے تمام ارکان کے لیے لازم ہونے کے منافی نہیں، غور کریں"۔[۴]

"الدر المختار" میں "فاقد الطہورین" کے نماز کی مشابہت اختیار کرنے کے بارے میں "الفیض" سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے: (ترجمہ) "اور طہارت کے بارے میں 'ظہیریہ' وغیرہ میں ہے کہ جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں کٹی ہوں نیز اس کا چہرہ زخمی ہو تو تیمم اور وضو کے بغیر نماز پڑھے اور اصح قول کے مطابق نماز نہ لوٹائے، اور 'فاقد الطہورین' کے بارے میں 'الفیض' وغیرہ میں ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک وہ نماز کے مشابہ افعال کرے، اس قول کی طرف امام ابو حنیفہؒ کا رجوع بھی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے"۔[۵]

امام شامیؒ نے "فاقد الطہورین" کے بارے میں "الفیض" کی عبارت کی شرح ان الفاظ میں فرمائی: (ترجمہ) ("الفیض" کا قول: نماز کے مشابہ افعال کرے گا) "یعنی اس پر نمازیوں والے افعال اختیار کرنا واجب ہے، اگر خشک جگہ مل جائے تو رکوع اور سجدہ کرے ورنہ کھڑا ہو کر اشارہ کرے پھر نماز لوٹائے جیسا کہ تیمم میں آئے گا اور امام طحطاویؒ نے نقل فرمایا کہ اس میں قرأت نہ کرے پھر فرمایا: یہ اداکے قائم مقام نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ نماز کی ماہیتِ مجردہ ہے حقیقۃً نماز نہیں کیونکہ اس سے بعد میں اس کی ادائیگی کا مطالبہ ہے"۔ (۶)

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو امام شامیؒ نے "الفیض" کی عبارت کی بنیاد پر "طہارت کے تمام ارکان کے لیے لازم ہونے" کے امام حصکفیؒ کے اصول پر اعتراض کیا کہ "الفیض" میں "فاقد الطہورین" کو بلا طہارت نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے لہٰذا یہ ضروری شرط نہیں۔ امام رافعیؒ نے اس بنیاد کو ہی غلط قرار دے کر امام شامیؒ کے اعتراض کو رد کر دیا، جیسا کہ "تقریرات" کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ "فاقد الطہورین" کو بغیر وضو اور تیمم نماز پڑھنے کی بجائے نماز کی مشابہت اختیار کرنے کا حکم ہے جیسا کہ خود امام شامیؒ نے "الفیض" کی عبارت کی شرح میں فرمایا کہ "فاقد الطہورین" اس وقت حقیقی نماز پڑھنے کی بجائے نماز کی مشابہت اختیار کرے اور بعد میں نماز لوٹائے، لہٰذا اس سے طہارت ساقط نہیں ہوئی تو میرے ناقص خیال میں اس معاملے میں امام شامیؒ کا اعتراض درست نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب!

تأمّل نمبر ۲ بے وضو نماز ادا کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف

امام شامیؒ نے "الخانیہ" اور "الحلبہ" کے حوالے سے بے وضو نماز ادا کرنے والے کو کافر قرار دینے میں اختلاف ذکر فرمایا کہ اگر دین کی توہین یا تحقیر کی نیت سے ایسا کرے تو اس کی تکفیر میں اتفاق ہونا چاہیے، اگر توہین یا تحقیر کی نیت کے بغیر سستی، کاہلی یا جہالت کی وجہ سے ایسا کرے تو اس کی تکفیر میں اختلاف ہے لیکن امام شامیؒ نے اس میں بھی "تأمّل" کہہ کر عدمِ تکفیر میں اتفاق پر برانگیختہ فرمایا، امام رافعیؒ نے بھی اس سے اتفاق فرمایا۔

امام شامیؒ "ردالمحتار" کی "کتاب الطہارۃ" میں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) (قولِ شارحؒ: اس سے ظاہر ہوا کہ جان بوجھ کر بغیر طہارت نماز پڑھنا کفر نہیں ہے جیسا کہ غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا یا ناپاک کپڑوں سے نماز پڑھنا کفر نہیں یہی ظاہر مذہب ہے جیسا کہ "الخانیہ" میں ہے) "بلا طہارت نماز کی ادائیگی کے مسئلہ میں اختلاف ذکر کرنے کے بعد فرمایا: بلا طہارت نماز ادا کرنے والے کو کافر قرار دینا 'النوادر' کی روایت ہے اور 'ظاہر الروایۃ' میں یہ فعل کفر نہ ہو گا۔ فقہاء نے اس صورت میں اختلاف فرمایا ہے جب دین کی توہین کی نیت کے بغیر بے وضو نماز پڑھی، اگر بطورِ توہین ایسا کرے تو سب کے نزدیک کفر ہونا چاہیے، اھ۔ میں کہتا ہوں: 'الحلبہ' [کتاب کا نام 'الحلبہ' ہے

لیکن 'ردالمحتار' میں ہر جگہ 'الحلیہ' نقل کیا گیا ہے] میں جو بحث کی گئی اس سے اس کی تائید ہوتی ہے لیکن جیسا کہ 'الخانیہ' کے کلام سے آپ نے جان لیا کہاس کے دین کی تحقیر یا توہین کرنے والا ہونے سے کفر لازم آئے گا، اور یہ دین سے مذاق یا ٹھٹھہ کے زمرے میں آتا ہے، لیکن اگر مذاق اور ٹھٹھہ کی نیت کے بغیر صرف سستی یا جہالت کی وجہ سے اس فعل کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے سرانجام دے تو سب کے نزدیک کفر نہیں ہونا چاہیے، غور کریں"۔(۷)

امام رافعیؒ اس ''تَأَمّلْ'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) "(قولِ شامیؒ: میں کہتا ہوں 'الحلبہ' میں جو بحث کی گئی اس سے اس کی تائید ہوتی ہے الخ)۔ اس لیے کہ صاحبِ حلبہ نے کفر اس صورت میں قرار دیا ہے جب بطور توہین ایسا کرے"۔(۸)

"الفتاوی الهندیہ" میں ضرورت کے تحت اور استہزاء کے نیت کے بغیر بے وضو نماز پڑھنے والے کے کافر نہ ہونے کے بارے میں ہے: (ترجمہ) "اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بے وضو نماز پڑھے تو کافر ہو جائے گا، 'الصدر الشہید' نے فرمایا: ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔۔۔ اگر کوئی شخص ضرورت کے تحت ایسا کرے کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بے وضو ہو جائے تو حیا کی وجہ سے بے وضو ہونا ظاہر نہ کرے اور اس کو مخفی رکھتے ہوئے اسی حالت میں نماز پڑھ لے یا دشمن قریب ہونے کی وجہ سے بے وضو ہی نماز پڑھنا شروع کر دے تو بعض مشائخؒ نے فرمایا کہ اگر وہ استہزاء کی نیت نہ کرے تو کافر نہیں ہو گا۔ اور جو ضرورت یا حیا کی وجہ سے بے وضو نماز پڑھے تو قیام سے نماز کے قیام کی نیت کرے نہ ہی قرأت کرے اور جب اپنی کمر جھکائے تو رکوع کی نیت کرے نہ ہی تسبیح پڑھے تو اس کے کافر نہ ہونے پر اجماع ہے"۔(۹)

"البحر الرائق" کی "کتاب الطہارۃ" میں بے وضو نماز پڑھنے والے کے کافر نہ ہونے کے بارے میں ہے: (ترجمہ) "اور اصح یہ ہے کہ اگر کسی نے قبلہ کے سوا کسی اور طرف رُخ کر کے یا ناپاک کپڑے پہن کر نماز ادا کی تو کافر نہیں ہو گا کیونکہ بعض مخصوص صورتوں [قبلہ کی سمت سے ناواقفیت یا سواری کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو اور نمازی کے لیے سواری سے اتر کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو۔ نمازی کے پاس پاک کپڑے نہ ہوں وغیرہ] میں اس کیفیت میں نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر جان بوجھ کر بلا طہارت نماز ادا کی تو کافر ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ بہر صورت حرام ہے، اور جب جان بوجھ کر بلا طہارت نماز ادا کی تو اس نے ایک شرعی امر کی توہین اور تحقیر کی لہٰذا وہ کافر ہو جائے گا، 'محیط' میں اسی طرح ہے۔ اور ہم 'فتاویٰ ظہیریہ' کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ ایسا آدمی جس کے ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوں تو اگر اس کے چہرے پر زخم ہوں تو بلا طہارت نماز ادا کرے، وہ نماز کے لیے نہ تو تیمم کرے اور نہ ہی نماز لوٹائے، اور یہی قول اصح ہے لہٰذا بلا طہارت نماز ادا کرنا، قبلہ کے سوا کسی دوسری طرف رُخ کر کے یا ناپاک کپڑے پہن کر نماز ادا کرنے کی مثل ہے اس لیے ان کا حکم ایک ہی ہونا چاہیے اور وہ کافر نہ ہونا ہے جیسا کہ مخفی نہیں"۔(۱۰)

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو بے وضو نماز کی ادائیگی کے معاملے میں امام شامیؒ اور امام رافعیؒ دونوں اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ اگر کوئی توہین کی نیت کے بغیر ایسا کرے تو کفر نہیں، "الفتاوی الہندیہ" کے مطابق کوئی ضرورت کی بنا پر استہزاء کی نیت کے بغیر ایسا کرے تو کفر نہیں اور "الفتاوی الہندیہ" میں "الصدر الشہید" کے حوالے سے جان بوجھ کر بے وضو نماز پڑھنے والے کو کافر قرار دیا گیا ہے لیکن امام حصکفیؒ "الخانیہ" میں منقول ظاہر مذہب کے مطابق اسے کافر قرار نہیں دیتے۔ "البحر الرائق" میں "فتاوی ظہیریہ" کے حوالے سے بہت عمدہ مثال دی گئی کہ جب ہاتھ پاؤں سے محروم اور زخمی چہرے والے کو بلا طہارت نماز کی اجازت دی گئی نیز نماز میں قبلہ کی طرف رخ نہ کرنے والے اور ناپاک کپڑے پہن کر نماز ادا کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا گیا تو بلا طہارت نماز ادا کرنے والے کو کافر قرار نہیں دینا چاہیے۔ میرے ناقص خیال میں جب "فاقد الطہورین" کو نماز کی مشابہت اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور ہاتھ پاؤں سے محروم اور زخمی چہرے والے کی بلا طہارت ادا کی گئی نماز کو درست قرار دیا گیا ہے تو توہین کی نیت کے بغیر جان بوجھ کر بلا طہارت نماز ادا کرنا کفر نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ امام شامیؒ نے ذکر فرمایا جس کی تائید امام رافعیؒ نے بھی فرمائی، بحث امام شامیؒ کے منقول ایک مشہور قول پر ختم ہوتی ہے کہ اگر ستر روایات مومن کے کفر پر متفق ہوں اور ایک روایت، خواہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو، کفر نہ ہونے پر ہو، تو اس ایک روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ لہٰذا توہین و تحقیر کی نیت کے بغیر یہ فعل کفر نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ امام شامیؒ نے اس پر برانگیختہ فرمایا۔ واللہاعلمبالصواب!

تأمّل نمبر ۳ طہارت واجب ہونے کے اسباب

"تنویر الابصار" کے شارح امام علاؤالدین محمد بن علی الحصکفیؒ نے "الدر المختار" میں امام حلبیؒ کی "بحر" کے حوالے سے طہارت واجب ہونے کا سبب فرض یا نفل کا ارادہ کرنا بیان فرمایا پھر امام حلبیؒ نے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے ظہر کا ارادہ کرنے پر وضو واجب ہونے کو باطل قرار دیا۔ امام شامیؒ نے اس پر اعتراض کیا کہ ظہر کی نماز وقت سے پہلے نفلی طور پر ادا ہو سکتی ہے لہٰذا وقت شروع ہونے سے پہلے ظہر کا ارادہ کرنے پر وضو واجب ہو گا پھر "تأمّلْ" کہہ کر اس پر غور کی دعوت دی۔ امام رافعیؒ نے یہ کہہ کر اس اعتراض کو رد کر دیا کہ "بحر" کی عبارت میں نماز پڑھنے کے ارادے کی بجائے صرف نماز کے ارادے کا ذکر ہے لہٰذا وضو واجب نہیں ہو گا۔

امام شامیؒ "ردالمحتار" کی "کتاب الطہارۃ" میں طہارت واجب ہونے کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) "(شارحؒ کا قول: امام حلبیؒ نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ طہارت کے وجوب کا سبب فرض اور نفل کا ارادہ کرنا ہے، لیکن نفل کا ارادہ ترک کرنے پر وجوب بھی ساقط ہو جائے گا۔ علامہ قاسمؒ نے اپنی کتاب 'نکت' میں فرمایا: اور صحیح یہ ہے کہ طہارت کے وجوب کا سبب نماز کا واجب ہونا یا ایسی عبادت کا ارادہ کرنا ہے جو طہارت کے بغیر

درست نہیں ہوتی) (یہ اظہر ہے [امام حلبیؒ نے طہارت واجب ہونے کے متعلق اپنے قول کو ظاہر کے ساتھ ذکر فرمایا توامام شامیؒ نے علامہ قاسمؒ کے قول کو زیادہ ظاہر کے ساتھ ذکر کر کے امام حلبیؒ کے قول پر ترجیح دی] کیونکہ امام حلبیؒ نے طہارت واجب ہونے کے سبب پر 'البحر' میں جو تفصیل ذکر کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نماز کا وقت ختم ہونے پر وضو نہ کرنے پر گناہگار نہیں ہو گا، جب کہ اس میں اس نے وقتی نماز کا ارادہ نہیں کیا بلکہ صرف نماز کے فوت کرنے پر گنہگار ہو گا۔ اور مثلاً اگر اس نے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے نماز کا ارادہ کیا تو اس پر وقت سے پہلے وضو واجب ہو گا، اور یہ دونوں صورتیں باطل ہیں اھ، 'حلبی'۔ میں اس مسئلہ میں کہتا ہوں: ظہر کی نماز وقت سے پہلے بطورِ نفل ادا ہو گی، لہٰذا اس کا ارادہ کرنے پر طہارت واجب ہو گی، غور کریں"۔[11]

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں:(ترجمہ) ''(قولِ شامیؒ: میں اس مسئلہ میں کہتا ہوں کہ ظہر کی نماز وقت سے پہلے بطور نفل ادا ہو گی الخ)۔ امام حلبیؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس نے وقت شروع ہونے سے پہلے اگلی نماز کا ارادہ کیا، یہ مراد نہیں کہ اس نے وقت شروع ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، جس بنا پر امام حلبیؒ پر امام شامیؒ کا اعتراض وارد ہوتا۔ شاید امام شامیؒ ظرف کا مرجع، 'أراد' کی بجائے 'صلاۃ الظهر' سمجھے ہیں''۔[12]

مذکورہ بالا بحث میں امام حصکفیؒ نے طہارت واجب ہونے کے اسباب میں دو قول ذکر فرمائے، پہلے امام حلبیؒ کا قول ذکر فرمایا کہ طہارت کا سبب فرض یا نفل کا ارادہ کرنا ہے پھر علامہ قاسمؒ کا قول بیان کیا کہ طہارت کے وجوب کا سبب نماز کا واجب ہونا یا ایسی عبادت کا ارادہ کرنا ہے جو طہارت کے بغیر درست نہیں ہوتی۔ امام حلبیؒ نے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے، ظہر کا ارادہ کرنے پر وضو کے واجب ہونے کو باطل قرار دیا تو امام شامیؒ نے اس پر اعتراض کیا کہ ظہر کی نماز وقت سے پہلے بطور نفل تو پڑھی جا سکتی ہے لہٰذا اس پر وضو واجب ہو گا، امام رافعیؒ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ عبارت میں ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنے کے ارادے کی بجائے صرف ظہر کا ارادہ کرنا مراد ہے، کیونکہ ''قبل دخول الوقت'' کا مرجع ''أراد'' ہے ''صلاۃ الظهر'' نہیں، لہٰذا نمازِ ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے ظہر کا ارادہ کرنے پر وضو واجب نہیں ہو گا، نماز کا وقت شروع ہونے پر ہی وضو واجب ہو گا نیز نفل نماز کے لیے وضو تو واجب ہوتا ہے لیکن نفل کا اردہ ترک کرنے پر وجوب بھی ختم ہو جاتا ہے اور شاید کوئی بھی فرض نماز کو اس کا وقت شروع ہونے سے پہلے نفلی طور پر پڑھنے کا ارادہ نہیں کرتا، لہٰذا میرے ناقص خیال میں امام رافعیؒ کا کلام درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

تَأمّل نمبر ۴ — ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈالنے کا مکروہ ہونا اور ایسے پانی سے وضو کا عدمِ جواز

امام شامیؒ نے سو کر اٹھنے کے بعد، ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالنے کی ممانعت کے بارے میں حدیث مبارکہ بیان کر کے اس فعل کے مکروہِ تنزیہی ہونے کا تذکرہ کیا، پھر علت یعنی ہاتھوں کے نجاست سے آلودہ ہونے کے

امکان پر ایک مفروضہ قائم فرمایا کہ اگر رات کو استنجا کر کے سوئے تو ہاتھ ناپاک ہونے کا احتمال نہیں، لہٰذا ہاتھوں کو دھوئے بغیر پانی میں ڈالنے اور اس پانی سے وضو کے جائز ہونے پر ''تأمل'' کہہ کر غور کی دعوت دی۔ امام رافعیؒ نے اس دلیل سے اس قول کو رد کر دیا کہ نیند کی حالت میں، پاخانہ کے مقام میں ہاتھ داخل ہونے کے احتمال کی وجہ سے ہاتھ ناپاک ہونے کا احتمال ہے۔

امام شامیؒ ''ردالمحتار'' کی ''کتاب الطہارۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شارحؒ: پھر اگر برتن کو اٹھانا ممکن نہ ہو تو اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر برتن میں داخل کرے اور دائیں ہاتھ پر پانی انڈیلے)-ثم جملہ خبریہ ترتیب اور تاخیر کے لیے آتا ہے کیونکہ یہ سابقہ کلام کو مکمل کرتا ہے، دھونے کی کیفیت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے شارحؒ نے پیچیدہ چیزیں بیان کیں اور واضح چھوڑ دیں، 'النہر' میں بیان کیا: پھر ہاتھ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر برتن کو اٹھانا ممکن ہو تو تین مرتبہ دایاں پھر بایاں ہاتھ دھوئے، اور اگر برتن اٹھانا ممکن نہ ہو لیکن اس کے پاس چھوٹا برتن ہو تو اس برتن سے پانی لے کر اسی طرح ہاتھوں کو دھوئے ورنہ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بچا کر صرف انگلیاں باہم ملا کر برتن میں ڈالے اور دائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر دھوئے، پھر دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر بائیں ہاتھ کو دھوئے، اھ۔ 'البحر' میں ہے فقہاء نے کہا ہے: حدیث پاک کی رُو سے، ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈالنا مکروہ ہے، اس سے مکروہِ تنزیہی مراد ہے، کیونکہ اس حدیث پاک کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہِ تحریمی نہیں ہے: 'کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری'، لہٰذا نہی چھوٹے برتن یا چھوٹے برتن کی موجودگی میں بڑے برتن میں ہاتھ ڈالنے پر محمول ہے، ان صورتوں میں وہ برتن میں ہاتھ بالکل نہ ڈالے، اور نہی بڑے برتن میں ہتھیلی ڈالنے پر محمول ہے [انگلیاں ڈالنا جائز ہے] 'مستصفی' وغیرہ میں اسی طرح ہے، 'شرح اقطع' میں ہے: 'جس پانی میں نیند سے بیدار ہونے والے نے ہاتھ ڈالا ہو اس سے وضو کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں نجاست کا احتمال پایا جاتا ہے جیسا کہ اسپانی میں ناپاکی کا احتمال ہے جس میں بچے نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو، اھ'-میں کہتا ہوں: اس علت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ استنجا کر کے سوئے اور اس پر کوئی نجاست نہ ہو تو برتن میں اس کا ہاتھ ڈالنا مکروہ نہیں ہو گا اور نہ ہی اسپانی سے وضو کرنا مکروہ ہو گا جس میں اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو کیونکہ اس میں نجاست کا احتمال نہیں ہے، غور کریں''۔[۱۳]

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شامیؒ: اس علت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ استنجا کر کے سوئے الخ)۔ اس معاملے میں اس کی لاعلمی میں ہاتھ ناپاک ہونے کا احتمال باقی ہے، اسی طرح [سوتے ہوئے بے خیالی میں] پاخانہ کے مقام میں ہاتھ داخل کرنے کا احتمال بھی موجود ہے، جیسا کہ اس بات کا انکار کرنے والوں کے رد میں کچھ کتابوں میں بیان کیا گیا ہے''۔[۱۴]

"البحر الرائق" کے "سنن الوضو" میں رات کو استنجا کر کے سونے والے کے لیے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونے کو سنت غیر مؤکدہ قرار دیا گیا ہے:(ترجمہ) "ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ 'شرح مجمع' میں جو بیان کیا گیا کہ 'نیند سے بیدار ہونے والے کے لیے ہاتھ دھونے کا سنت ہونا اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ بغیر استنجا کیے سویا ہو یا اس کے بدن پر نجاست ہو یہاں تک کہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے حق میں سنت نہیں'۔ یہ قول ضعیف ہے یا اس سے سنتِ مؤکدہ کی نفی مراد ہے، محض سنت ہونے کی نفی مراد نہیں"۔[۱۵]

"الجوہرہ النیرہ" کتاب الطہارۃ میں نیند سے بیدار ہونے والے اور اس کے علاوہ دونوں کے لیے ہاتھ دھونا سنت قرار دیا ہے: (ترجمہ) "امام قدوریؒ کا قول: (جب وضو کرنے والا نیند سے بیدار ہو) یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، یہاں تک کہ برتن میں ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونا، نیند سے بیدار ہونے والے اور اس کے علاوہ دونوں کے لیے سنت ہے۔۔۔ اور خواہ وہ رات کی نیند سے بیدار ہوا ہو یا دن کی نیند سے"۔[۱۶]

"شرح فتح القدیر" میں نیند سے بیدار ہونے یا نجاست کے شک کی صورت میں برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونے کو سنت مؤکدہ قرار دینے کے بارے میں امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: (ترجمہ) "بعض فقہاء نے بلا استثنا ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈالنے کو نیند سے بیدار ہونے کے ساتھ خاص فرمایا اور بعض نے اسے اس صورت کے ساتھ خاص فرمایا کہ جب وہ کنکریوں کے ساتھ استنجا کر کے یا ناپاک بدن کے ساتھ سویا ہو، اور جب وہ پانی کے ساتھ استنجا کر کے ہاتھوں کے پاک ہونے کے یقینی ہونے کی کیفیت کے ساتھ سویا تو اس کے لیے ہاتھ دھونا سنت نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وضو سے پہلے ہاتھ دھونا بلا استثناء نیند سے بیدار ہونے والے اور اس کے علاوہ سب کے لیے سنت ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ جس نے بھی حضور ﷺ کے وضو کی کیفیت بیان کی، ہاتھ دھونے کو ابتدا میں ذکر کیا، اور محض نیند سے بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ بیان نہیں کی بلکہ دوسرے مواقع پر بھی آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ سے واقف ہونے کے ساتھ یہی طریقہ بیان فرمایا، البتہ نیند سے بیدار ہونے یا نجاست کے شک کی صورت میں تو سنت مؤکدہ ہے، جب ہاتھ ناپاک ہونے کا یقین ہو تو ہاتھ دھونا واجب ہے"۔[۱۷]

امام شامیؒ نے بھی "ردالمحتار" میں "النہر الفائق" اور "بحر" سے نجاست کا احتمال نہ ہونے یعنی رات کو استنجاء کر کے سونے کی صورت میں ہاتھ دھونے کے سنّتِ غیر مؤکدہ ہونے کو نقل کیا:(ترجمہ) "عنایہ میں فرمایا: مصنّفؒ یعنی صاحبِ ہدایہ نے نیند سے بیدار ہونے والے لفظ کے ساتھ حدیث سے برکت حاصل کرنے کے لیے کلام خاص فرمایا، اور سنت نیند سے اٹھنے والے کے لیے بھی ہے اور اس کے علاوہ کے لیے بھی۔ اکثر فقہاء کرام کا یہی قول ہے اھ۔ اور بعض نے فرمایا: مقصود نیند سے بیدار ہونے والا ہی ہے، اس کے علاوہ کے لیے ہاتھ دھونا ادب ہے جیسا کہ

'سراج' میں ہے۔ اور 'النہر الفائق' میں ہے: اصح جس پر اکثر ہیں، یہ ہے کہ ہاتھ دھونا بلا استثنا سنت ہے لیکن نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں سنتِ مؤکدہ ہے مثلاً بغیر استنجا کے سویا ہو یا سوتے وقت اس کے بدن پر کوئی نجاست رہی ہو۔ اور نجاست کا احتمال نہ ہونے کی صورت میں سنّتِ غیر مؤکدہ ہے مثلاً ان میں سے کسی چیز کے بغیر سویا ہو یا نیند سے اٹھنے کی حالت نہ ہو۔ اھ۔ اسی کے ہم معنی 'بحر' میں بھی ہے"۔ (۱۸)

"فتاوی رضویہ" میں پانی سے استنجا کرنے کے باوجود احتمالِ نجاست پائے جانے کے بارے میں ہے: "پھر اگر یہ سوال ہو کہ حدیث میں اس حکم کو مطلق نیند سے متعلق فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے اس کی علّت بیان فرمائی ہے کہ 'وہ نہیں جانتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا'۔ اگر یہ کہئے کہ لوگ بغیر استنجا کے سوتے تھے اس لیے یہ ارشاد ہوا تو اس سے اگر یہ مراد ہے کہ بلا استثنا استنجا ہی نہ کرتے تھے تو ایسا تو ہر صاحبِ نظافت سے بعید ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تو اور زیادہ بعید ہے اور وہی حضرات اولین مخاطب ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے کہ 'جب تم میں سے کوئی نیند سے اٹھے'۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ پانی سے استنجا نہ کرتے تھے تو صحیح معتمد یہ ہے کہ پتھر کے ذریعہ استنجا سے بھی طہارت ہو جاتی ہے جب کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ مخرج سے تجاوز نہ کرے، جیسا کہ ردالمحتار پر میں نے اپنے حواشی میں بیان کیا ہے تو احتمالِ نجاست پیدا کرنے اور نہ کرنے میں پانی سے استنجا کرنے اور نہ کرنے کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں۔ (میں کہوں گا) حدیث مسنونیت بتانے کے لیے ہے اور بدن میں نجاست متحقق ہونے کے وقت اس سنّت کا مؤکد ہونا مضمونِ کلام سے معلوم ہوا"۔ (۱۹)

"ردالمحتار" کی کتاب الصلاۃ میں امام شامیؒ نے سنتِ غیر مؤکدہ کے ترک کو مکروہِ تنزیہی قرار دیا ہے: (ترجمہ)

"ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ سنت اگر کسی مضبوط دلیل سے مؤکدہ ہو تو اس کا چھوڑنا مکروہِ تحریمی سے کم نہیں ہوتا اور اگر غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہِ تنزیہی ہوتا ہے"۔ (۲۰)

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو "البحر الرائق"، "الجوہرہ النیرہ" اور "شرح فتح القدیر" کی مذکورہ بالا عبارات نیز امام رافعیؒ کی وضاحت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں ڈالنا خلافِ سنت ہے، "شرح فتح القدیر" میں تو ہر صورت ہاتھ دھونے کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ امام شامیؒ نے "سنن الوضو" میں رات کو سونے سے پہلے استنجا کرنے کی صورت کا استثنا فرمایا کہ اس صورت میں برتن میں ہاتھ ڈالنا مکروہ نہیں ہے، بظاہر امام شامیؒ کا موقف درست دکھائی دیتا ہے کیونکہ نجاست کا احتمال نہیں، لیکن "البحر الرائق" میں امام شامیؒ کی مفروضہ صورت یعنی رات کو استنجا کر کے سونے کی صورت بیان کی گئی اور اس کے لیے برتن میں ڈالنے سے پہلے ہاتھ نہ دھونے کے قول کو ضعیف قرار دیا گیا اور برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دھونے کو سنت قرار دیا گیا، امام احمد رضاؒ نے پانی سے استنجا

کرنے کے باوجود احتمالِ نجاست پائے جانے کی وجہ سے برتن میں ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونے کو سنت غیر مؤکدہ قرار دیا۔ امام رافعیؒ نے ایک صورت ذکر فرمائی ہے کہ رات کو استنجا کر کے سونے کے باوجود نیند کی حالت میں پاخانہ کے مقام میں ہاتھ داخل ہونے کا احتمال ہے لہٰذا نجاست کا احتمال ہونے کی وجہ سے ہاتھ دھونا سنت ہو گا۔ اور خود امام شامیؒ نے ''رد المحتار'' کے ''سنن الوضو'' میں برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے انہیں دھونے کو سنتِ غیر مؤکدہ قرار دیا اور ''کتاب الصلاۃ'' میں غیر مؤکدہ سنت کے ترک کو مکروہِ تنزیہی قرار دیا ہے تو بظاہر ان کا یہ عدمِ کراہت کا قول درست نہیں نیز اکثر فقہاء نجاست کے احتمال کی وجہ سے برتن میں ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونے کو سنت قرار دیتے ہیں لہٰذا اس معاملے میں سنت یہی ہے کہ برتن میں ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھو لیے جائیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

تَأَمّل نمبر ۵ مسواک کا ایک بالشت سے زیادہ نہ ہونا

امام شامیؒ نے مسواک کے ایک بالشت ہونے کے امام حصکفیؒ کے قول کو بیان کر کے فرمایا کہ ابتداءِ استعمال میں ایک بالشت ہو، استعمال کے بعد ایک بالشت سے کم ہونے پر عدمِ حرج ذکر کر کے اس پر غور و فکر کی دعوت دی۔ امام رافعیؒ نے علامہ سندھیؒ کے حوالے سے ایک بالشت سے زیادہ ہونے کی ممانعت ذکر کر کے اس سے کم ہونے کو جائز قرار دیا۔

امام شامیؒ ''ردالمحتار'' کی ''کتاب الطہارۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شارحؒ: اور مسواک کا ایک بالشت لمبا ہونا)۔ بظاہر ایک بالشت ہونا مسواک کے استعمال کی ابتدا پر محمول ہے، استعمال کے بعد اس کو برابر کرنے کے لیے کاٹنے سے ایک بالشت سے کم ہونے میں حرج نہیں، غور کرو۔ ایک بالشت سے استعمال کرنے والے کی بالشت مراد ہے یا عام بالشت، بظاہر دوسری مراد ہے کیونکہ زیادہ تر اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے''۔ [۲۱]

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شارحؒ: اور ایک بالشت لمبا ہونا)۔ ایک بالشت سے لمبی نہ ہونا مراد ہے، اس سے کم ہونے میں حرج نہیں اھ، سندھی''۔ [۲۲]

امام طحطاویؒ'' حاشیۃ الطحطاوی '' میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''اور مسواک استعمال کرنے والے کی ایک بالشت کے برابر ہو کیونکہ ایک بالشت سے زائد پر شیطان سوار ہوتا ہے'' اھ۔ [۲۳]

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو امام شامیؒ کا یہ مؤقف ہے کہ مسواک ابتداءِ استعمال میں ایک بالشت ہو، بعد میں استعمال کی وجہ سے کاٹ کر چھوٹی کر دی جائے تو حرج نہیں، لیکن امام رافعیؒ اور امام طحطاویؒ کے نزدیک ایک بالشت سے زیادہ ہونا منع ہے کم ہونے میں حرج نہیں، ایک بالشت سے زائد کی ممانعت منقول ہے لہٰذا امام رافعیؒ اور امام طحاویؒ کے قول کے مطابق مسواک، ابتدا میں ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو اگر اس سے کم ہو تب بھی حرج نہیں اس لیے کہ مسواک کے ایک بالشت سے کم ہونے کے بارے میں کوئی ممانعت منقول نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

تَأَمّل نمبر ۶ وضو میں داڑھی کے خلال کا طریقہ

امام حصکفیؒ نے داڑھی کے خلال کا طریقہ یوں ذکر فرمایا کہ خلال کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف کرے، امام شامیؒ نے اس قول کی تفصیل بیان کرنے کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مبارکہ نقل فرمائی کہ آپ ﷺ وضو فرماتے ہوئے ہتھیلی میں پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے لے جاتے پھر اس سے داڑھی مبارک کا خلال فرماتے پھر اس سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ اس صورت میں ہتھیلی کی پشت باہر کی جانب ہوتی ہوگی تاکہ ہتھیلی میں لیا ہوا پانی داڑھی میں داخل کیا جاسکے، پھر امام حصکفیؒ کے بیان کردہ خلال کے طریقہ کے بے فائدہ ہونے کا ذکر کرکے ''تأمل'' کہہ کر اعتراض فرمایا، امام رافعیؒ نے اس اعتراض کو یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ یہ طریقہ منقول ہے لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

امام شامیؒ ''ردالمحتار'' کی ''کتاب الطہارۃ'' میں داڑھی کے خلال کا طریقہ یوں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شارحؒ: اور داڑھی کا خلال کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف کرے) (علامہ نوح آفندیؒ نے کسی فقیہ سے ان الفاظ سے نقل کیا ہے: '**وينبغي أن يجعل إلخ**' اور حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ یہ فقیہ 'فاضل برجندیؒ' ہیں، اور 'المنح' میں فرمایا: اور خلال کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں اپنی داڑھی کے بالوں میں نیچے سے اوپر کی طرف اس طرح داخل کرے کہ ہاتھ کی ہتھیلی باہر کی طرف اور اس کی پشت وضو کرنے والے کی طرف ہو، اھ۔ میں کہتا ہوں: امام ابو داؤدؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ 'حضور ﷺ جب وضو فرماتے تو پانی کی ہتھیلی حلق سے نیچے سے لیتے اور اس کے ساتھ اپنی داڑھی کا خلال فرماتے اور ارشاد فرماتے: مجھے میرے رب نے یہی حکم دیا ہے' ، 'البحر' وغیرہ میں اس کا ذکر ہے، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نیچے سے اس طرح ہاتھ ڈالے کہ ہاتھ کی ہتھیلی گردن کی طرف اور اس کی پشت باہر کی طرف ہو، تاکہ ہتھیلی میں لیے ہوئے پانی کو بالوں کے اندر داخل کیا جاسکے۔ مگر شارحؒ کے مذکورہ طریقے کے مطابق گزشتہ خلال کے طریقہ پر عمل کرنا ممکن نہیں کیونکہ شارحؒ کے مذکورہ طریقے میں الٹی ہتھیلی سے خلال کرنے کی وجہ سے ہتھیلی میں پانی لینے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا، پس اس پر غور کیا جانا چاہیے۔ 'المنح' میں 'الکفایہ' کے حوالہ سے خلال کا طریقہ نقل کیا گیا ہے اور میں نے 'الکفایہ' میں اس طرح پایا: 'اور اس کا طریقہ یوں ہے کہ تین مرتبہ چہرہ دھونے کے بعد نیچے سے اوپر کی طرف خلال کرے، پھر جان لیں کہ یہ خلال دائیں ہاتھ سے ہوگا جیسا کہ 'حلبہ' میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے اور 'الدرر' میں فرمایا: کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی داڑھی کا خلال کرے اور یہ گزشتہ طریقہ کے خلاف ہے پس اس پر سوچ بچار کرو''۔[۲۴]

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شامیؒ: اوراس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نیچے سے ہاتھ ڈالے) (میں نے 'قہستانی' کا مطالعہ کیا تو وہاں سے واضح ہوا کہ شارحؒ کا ذکر کردہ مسئلہ منقول ہے، اوراس کی عبارت یہ ہے: اور داڑھی کا خلال کرنا یعنی تین مرتبہ چہرہ دھونے کے بعد ٹھوڑی والی جگہ میں داڑھی کے خلال کے لیے ہتھیلی کی پشت کے نچلے حصے سے گردن کی طرف انگلیاں داخل کرنا، جیسا کہ 'عمادی' میں انہی الفاظ کے ساتھ منقول ہے اھ''۔ (۲۵)

امام احمد رضاؒ 'جد الممتار' میں اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شامیؒ: پس غور کرنا چاہیے: میں کہتا ہوں: آپ جانتے ہیں کہ ہتھیلی کے ساتھ خلال کرنے کا کوئی معنی نہیں، خلال تو صرف انگلیوں سے ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں، اور فقہا نے اس بات کی تصریح بھی کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ معاملہ یہ ہے کہ حضور ﷺ خلال کے لیے نیا پانی لیتے تھے جس سے اپنے حلق مبارک کے نچلے حصے کو تر کرتے تھے، اور وہ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہتھیلی کو اندرونی حصہ کی طرف کرنے سے ہوتا ہے پھر بالوں کے اندر انگلیوں کو داخل فرماتے تھے اور یہی خلال ہے اور اس کا طریقہ وہ ہے جو فقہاء نے ذکر کیا''۔ (۲۶)

''حاشیۃ الطحطاوی'' سنن الوضو میں داڑھی کے خلال کا طریقہ یوں ہے: (ترجمہ) ''(مراقی الفلاح کی عبارت: نیچے سے اوپر کی جانب)۔ اور ہتھیلی اپنی گردن کی طرف ہو جیسا کہ 'قہستانی' اور 'ابن امیر الحاج' وغیرہ میں ہے یعنی جب ہتھیلی میں پانی موجود ہو اور خلال کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف رکھے جیسا کہ 'حموی' میں ہے''۔ (۲۷)

''عین الہدایہ'' میں داڑھی کے خلال کا طریقہ یوں منقول ہے: ''خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی پشت کو گردن کی طرف اور اس کی ہتھیلی کو سامنے کی طرف رکھتے ہوئے ڈاڑھی کے نیچے سے انگلیاں داخل کرکے ہاتھ کو اوپر کی طرف لایا جائے شمس الائمہ کردریؒ سے یہی منقول ہے، المضمرات، میں کہتا ہوں کہ نسائی اور ابن عدی میں جابرؓ کی مرفوع حدیث میں بھی ایسا ہی ہے، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا عمل بھی ہے جسے ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے، خلال کرنے کا یہ حکم اس شخص کے لیے [ہے جو] احرام کی حالت میں نہ ہو، الدر''۔ (۲۸)

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو امام شامیؒ نے داڑھی میں خلال کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کے خلال کا یہ طریقہ نقل فرمایا کہ ''حضور ﷺ ہتھیلی میں پانی لے کر ٹھوڑی مبارک کے نیچے لے جاتے پھر اس ہتھیلی سے داڑھی مبارک کا خلال فرماتے'' پھر اس سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ خلال کے لیے داڑھی کے نیچے سے ہاتھ اس طرح ڈالا جائے کہ ہاتھ کی ہتھیلی کا اندرونی حصہ گردن کی طرف اور پشت باہر کی طرف

ہو، تاکہ ہتھیلی میں لیے ہوئے پانی کو بالوں کے اندر داخل کیا جاسکے'' پھر ''تأمل'' کہہ کر شارحؒ کے مذکورہ طریقہ پر اعتراض کیا کہ شارحؒ نے جو طریقہ نقل فرمایا کہ خلال میں ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف کرے تو اس طرح ہاتھ الٹا ہونے کی وجہ سے ہتھیلی میں پانی لینا ممکن نہیں ہوتا لیکن امام رافعیؒ نے اس اعتراض کو رد کر دیا کیونکہ شارحؒ کا بیان کردہ طریقہ منقول ہے جس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ ''عین الھدایہ'' میں ''نسائی'' اور ''ابن عدی'' کے حوالے خلال کا یہی طریقہ نقل کیا گیا ہے جو امام حصکفیؒ نے بیان فرمایا پھر اس پر ''ابن ماجہ'' اور ''ابن عدی'' کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی بطورِ شہادت بیان کیا گیا، میرے ناقص خیال کے مطابق امام طحطاویؒ نے اس مسئلہ کی انتہائی عمدہ انداز میں تطبیق فرمائی ہے، اصل میں یہ دو مسئلے ہیں: پہلے ہتھیلی میں پانی لے کر داڑھی کے بالوں کو تر کرنا، اس کے بعد داڑھی کا خلال کرنا۔ امام شامیؒ نے دونوں کو ملا دیا ہے، حدیث پاک میں خلال سے پہلے داڑھی کو تر کرنے کا ذکر ہے اور اس میں ہتھیلی کو سیدھا رکھنا ضروری ہے تاکہ ہتھیلی میں موجود پانی سے داڑھی کے بال تر کیے جاسکیں جیسا کہ امام طحطاویؒ نے نقل فرمایا کہ جب ہتھیلی میں پانی ہو تو اسے اپنی گردن کی طرف کرے یعنی ہتھیلی سیدھی رکھے تاکہ ہتھیلی میں موجود پانی سے داڑھی کے بالوں کو تر کیا جاسکے۔ دوسرا مسئلہ داڑھی میں خلال کرنا ہے، امام حصکفیؒ نے جو طریقہ نقل فرمایا وہی امام طحطاویؒ نے بھی ذکر فرمایا کہ خلال کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف رکھے یعنی الٹی ہتھیلی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے نیچے سے اوپر داڑھی کا خلال کرے، اسی کو امام رافعیؒ نے منقول طریقہ لکھا ہے اور ''جد الممتار'' میں بھی داڑھی کے خلال کے بارے میں امام طحطاویؒ کی طرح وضاحت کی گئی کہ پہلے سیدھی ہتھیلی کے ساتھ حلق کو تر کیا جائے ہے اور اس کے بعد الٹی ہتھیلی کے ساتھ خلال کیا جائے، اور میرے ناقص خیال میں یہ بہت عمدہ تطبیق ہے کہ پہلے ہتھیلی میں پانی لے کر داڑھی کے بالوں کو نیچے سے تر کرے پھر الٹی ہتھیلی کے ساتھ داڑھی کا خلال کرے۔ واللہاعلمبالصواب!

تَأَمّل نمبر ۷ وضو کے بعد ہاتھ جھاڑنے کا حکم

حدیثِ مبارکہ میں وضو کے بعد ہاتھ جھاڑنے سے منع فرمایا گیا ہے لیکن امام شامیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر صحیحین کی حدیث کے حوالہ سے ہاتھ جھاڑنے کے جواز کا ذکر کیا۔ امام رافعیؒ نے ہاتھ جھاڑنے کے اس جواز کو یوں رد فرمایا کہ صحیحین کی حدیث میں حضور ﷺ کے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے جسم مبارک سے پانی جھاڑنے یعنی جسم پونچھنے کا ذکر ہے اور ممانعت ہاتھ جھاڑنے کی ہے۔

امام شامیؒ ہاتھ جھاڑنے کی ممانعت کے بارے میں امام حصکفیؒ کا قول نقل کر کے اس کے جواز کے بارے میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شارحؒ: اور وضو کے بعد ہاتھوں کو نہ جھاڑنا آداب وضو میں سے ہے)۔ اس حدیث

مبارکہ کی وجہ سے 'وضو میں اپنے ہاتھ نہ جھاڑو کیونکہ یہ شیطان کے پنکھے ہیں' اسے 'المعراج' میں ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ 'المناوی' نے بیان کیا بلکہ 'بخاری' و 'مسلم' کی حدیث میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے غسل فرمانے کے بعد ایک کپڑا لائیں تو حضور ﷺ نے اسے واپس فرما دیا اور اپنے ہاتھ کے ساتھ پانی جھاڑنے لگے'۔ غور کریں''۔ (۲۹)

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شامیؒ: بلکہ صحیحین کی حدیث میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے الخ)۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس شرح کے مفہوم [ہاتھ جھاڑنے] کے مخالف نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حدیث مبارکہ ہاتھ کے ساتھ [جسم سے] پانی جھاڑنے کے بارے میں ہے، ہاتھ جھاڑنے کے بارے میں نہیں''۔ (۳۰)

امام احمد رضاؒ ''جد الممتار'' میں اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''قولِ شامیؒ: اور اپنے ہاتھ کے ساتھ پانی جھاڑنے لگے، غور کریں: میں کہتا ہوں: ہاتھوں کو جھاڑنا ایک علیحدہ معاملہ ہے اور ہاتھ کے ساتھ پانی کو جھاڑنا ایک دوسرا معاملہ''۔ (۳۱)

''سنن ابو داؤد'' ''باب فی الغسل من الجنابۃ'' میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کو غسل فرمانے کے بعد رومال دینے کا واقعہ ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: (ترجمہ) ''ہمیں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میری خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' میں نے نبی کریم ﷺ کے غسلِ جنابت کے لیے پانی رکھا۔۔۔ پھر آپ ﷺ غسل والے مقام سے ایک طرف ہٹے، اپنے پاؤں مبارک دھوئے تو میں نے آپ ﷺ کو رومال پیش کیا جسے آپ ﷺ نے نہ لیا اور اپنے جسم مبارک سے پانی جھاڑنے لگے'۔ راوی کہتے ہیں: میں نے ابراہیمؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ 'وہ رومال کے استعمال میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے لیکن اس کی عادت کو مکروہ سمجھتے تھے' امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں: مسددؒ نے کہا' میں نے عبد اللہ بن داؤدؒ سے کہا: وہ اس کی عادت بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے تو انہوں نے کہا: ایسا ہی ہے لیکن میں نے اپنی کتاب میں یوں پایا [کہ آپ ﷺ نے رومال نہ لیا اور اپنے ہاتھ مبارک سے جسم مبارک صاف کیا]''۔ (۳۲)

ملا علی قاریؒ نے ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح'' میں وضو کے بعد رومال سے جسم صاف کرنے کے جواز میں حدیث مبارکہ بیان کی پھر امام ابنِ حجرؒ کے حوالے سے وضو کے بعد رومال سے جسم صاف نہ کرنے کے بارے میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ یوں بیان فرمائی: (ترجمہ) ''(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: (میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضو فرمانے کے بعد اپنا چہرہ مبارک صاف فرمایا)

یعنی وضو کے بعد چہرہ مبارک خشک فرمایا(اپنے کپڑوں کے کنارہ سے) یعنی اپنی چادر مبارک سے۔ امام ابن حجرؒ نے فرمایا:اگر یہ روایت بعد والی روایت کی طرح صحیح ہے تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے کسی عذر کی بناپر یا بیانِ جواز کے لیے ایسا فرمایا کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سرکارِ دوعالم ﷺ کے وضو فرمانے کے بعد آپ ﷺ کے پاس رومال لائیں تو حضور ﷺ نے اسے واپس فرمادیا اور اپنے ہاتھ کے ساتھ پانی جھاڑنے لگے، اسی بناپر ہمارے اصحاب رحمہم اللہ نے فرمایا: آپ ﷺ کی پیروی میں وضو اور غسل کرنے والے کے لیے جسم کو صاف نہ کرنا سنت ہے اھ۔ اور 'شرح الکنز للزیلعی' میں ہے: وضو کے بعد رومال سے جسم صاف کرنے میں حرج نہیں۔۔۔ الخ"۔ (۴۳)

"فتاویٰ رضویہ" میں امام احمد رضاؒ نے اپنے رسالہ "تنویر القندیل فی اوصاف المندیل" میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ پر تفصیل سے گفتگو فرمانے کے بعد اس کا خلاصہ یوں بیان فرمایا: "ہمارے بعض علماء نے پانی نہ جھاڑنے کو اگرچہ آدابِ وضو سے شمار کیا ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ ایسی [ضعیف] حدیث ایسی جگہ اتنی صلاحیت رکھتی ہے کہ کسی چیز کے ایک ادب اور مستحب ہونے کا افادہ کردے۔ رہا یہ کہ کسی حدیث صحیح کے معارض ہو جائے تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ثانیاً کسی چیز کا جواز بتانے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ترکِ اولیٰ بے شمار مقامات میں واقع ہے اور یہ عمل (ترکِ اولیٰ افادہ جواز کے لیے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا اولیٰ ہے اس لیے کہ سرکار قوانین واحکام کی تبلیغ کا مصدر و منبع ہیں۔ اور فعل کے ذریعہ بیان زیادہ قوی ہوتا ہے جیسا کہ اس پر واقعہ حدیبیہ میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شاہد ہے۔ ثالثاً: (کچھ اور طرق سے جو الفاظِ حدیث وارد ہیں وہ بالکل فیصلہ کن ہیں) امام مسلم و امام نسائی کے یہاں مخرج حدیث حضرت اعمش سے ایک طریق اور ہے وہ یوں ہے:عبداللہ بن ادریس __ عن الاعمش __ عن سالم __ یہ ابن ابی الجعد ہیں __ عن کریب __عن ابن عباس __ عن میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ اس طریقِ عبداللہ بن ادریس میں الفاظِ حدیث یہ ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رومال حاضر کیا گیا تو اسے ہاتھ نہ لگایا اور پانی کو یوں کرنے لگے یعنی جھاڑنے لگے اھ اور بطریق عبداللہ بن داؤد عن الاعمش، سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں: امّ المومنین نے سرکار کو رومال پیش کیا تو نہ لیا اور بدن مبارک سے پانی جھاڑنے لگے۔ یہ ایسے مفسَّر نصوص ہیں کہ اس تاویل (جھاڑنا یعنی چلنے میں ہاتھ ہلانا) کی کوئی گنجائش اور جگہ ہی نہیں رہ جاتی، اس تاویل کا اولیٰ ہونا تو بہت دور کی بات ہے اور مجھے تو یہ تعجب ہے کہ امام قاضی عیاض نے اسے صرف بعید کہنے پر اکتفاء کیوں کی؟ اور اسی طرح شیخ محقق پر بھی تعجب ہے کہ انہوں نے لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں یہ تاویل بعض شروح کے حوالے سے نقل کی اور برقرار رکھی، اور اشعۃ اللمعات میں فرمایا: یہ معنی اس مقام سے بعید ہے۔ یہ کیوں نہیں فرماتے کہ باطل ہے اس کی گنجائش ہی نہیں، یہ بحث تمام ہوئی"۔ (۴۴)

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو امام شامیؒ نے شارحؒ کے ہاتھ جھاڑنے کی ممانعت کا قول نقل فرمانے کے بعد "مناوی" کے حوالہ سے ہاتھ جھاڑنے کی ممانعت کے بارے میں منقول حدیث کو ضعیف قرار دیا اور ہاتھ جھاڑنے کے جائز ہونے کے بارے میں بخاری و مسلم کی حدیث بطور دلیل بیان کی کہ "حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سرکارِ دوعالم ﷺ کے غسل فرمانے کے بعد ایک کپڑا لائیں تو حضور ﷺ نے اسے واپس فرمادیا اور اپنے ہاتھ کے ساتھ پانی جھاڑنے لگے" اس سے امام شامیؒ نے ہاتھ جھاڑنے کے جواز کو ثابت فرماکر اس پر غور کی دعوت دی۔امام رافعیؒ نے وضاحت فرمائی کہ بخاری و مسلم کی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث حضور ﷺ کے اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم مبارک سے پانی پونچھ کر گرانے کے بارے میں ہے جبکہ پہلی روایت میں ہاتھ جھاڑنے کی ممانعت ہے لہٰذا ہاتھ جھاڑنے کے جواز میں اس کو پیش نہیں کیا جاسکتا۔"سنن ابو داؤد" میں تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ''ینفض الماء بیدہ'' کے بجائے ''ینفض الماء عن جسدہ'' کے الفاظ منقول ہیں جس سے واضح طور پر جسم صاف کرنا مراد ہے نیز "سنن ابو داؤد" میں حدیث کے راوی ''ینفض الماء بیدہ'' سے "ہاتھ جھاڑنے" کی بجائے "کبھی کبھار رومال استعمال نہ کرنا اور اپنے ہاتھوں سے جسم صاف کرنا" مراد لیتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ بھی امام ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالے سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کر کے اس حدیث سے "ہاتھ جھاڑنا" مراد لینے کی بجائے وضو کے بعد رومال استعمال نہ کرنے کو سنت قرار دیتے ہیں۔"جد الممتار" میں یہ وضاحت کی گئی کہ ہاتھ جھاڑنا ایک مختلف عمل ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے جبکہ مذکورہ صحیحین کی حدیث میں آپ ﷺ کے جسم سے پانی پونچھنے کا ذکر ہے جو ایک علیحدہ عمل ہے۔ "فتاوی رضویہ" میں رسالہ "تنویر القندیل فی اوصاف المندیل'' میں وضو کے بعد رومال استعمال کرنے کے جواز پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، اس میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں چند علماء کی طرف سے ''ینفض الماء بیدہ'' کا ترجمہ "ہاتھ جھاڑنا" لینے کو بہت عمدہ دلائل سے رد کیا گیا ہے، مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں امام رافعیؒ کا مؤقف درست دکھائی دیتا ہے کہ وضو کے بعد ہاتھ جھاڑنا منع ہے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور ﷺ کے ہاتھ جھاڑنے کا ذکر نہیں بلکہ اس میں رومال کی بجائے ہاتھ سے جسم صاف کرنا مراد ہے۔واللہ اعلم بالصواب!

تَاَمّل نمبر ۸ زخم سے بہنے والے خون سے وضو ٹوٹنے کی تفصیل

امام شامیؒ زخم سے نکلنے والے خون سے وضو ٹوٹنے کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ جب تک خون زخم سے باہر نہ نکلے، وضو نہیں ٹوٹے گا، پھر اس خون کے پاک اور ناپاک ہونے میں اختلاف ذکر کر کے خون کے پاک ہونے کے قول کے مطابق یہ اصول ذکر فرمایا کہ اگر وہ خون کسی کے بدن میں ایک درہم سے زائد لگ گیا تو ناقض نہیں کیونکہ

ناقض ہونے کے لیے خون کا بہہ کر ایسی جگہ تک پہنچنا ضروری ہے جس کو پاک کرنے کا حکم ہے پھر ''تأمل'' کہہ کر اس پر غور کی دعوت دی۔ امام رافعیؒ نے بھی اس سے اتفاق فرمایا لیکن یہ واضح فرمایا کہ خون کے ناپاک ہونے کے قول کے مطابق جس کے جسم سے خون نکلے اس کے لیے تو پاک ہے اس کے علاوہ جس کے جسم پر ایک درہم سے زیادہ وہ خون لگے اس کے جسم اور کپڑوں کو ناپاک کر دے گا۔

امام شامیؒ ''ردالمحتار'' کی ''کتاب الطہارۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شارحؒ: اگر آنکھ، زخم یا ذکر سے خون وغیرہ بہے اور باہر نہ نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا)۔ یعنی نہ بہے۔ میں کہتا ہوں: 'السراج' میں 'الینابیع' سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے: زخم پر بہنے والا خون جب اس سے باہر نہ نکلے تو بعض علما نے فرمایا: وہ پاک ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے اس کے پہلو میں نماز پڑھی اور اس سے ایک درہم سے زائد اسے یہ خون لگ گیا تو اس کی نماز ہو گئی، اسی کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا اور یہی اظہر [مفتی بہ] ہے، بعض نے فرمایا وہ ناپاک ہے اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے اھ۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خون وضو توڑنے والا نہیں کیونکہ وہ دوسرے شخص کو لگنے کے بعد بھی پاک رہا، اور ناقض ہونے کے لیے خون کا بہہ کر ایسی جگہ تک پہنچنا معتبر ہے جسے خون والے کے بدن سے پاک کرنے کا مطالبہ ہے تو اس پر غور کیا جائے''۔ (۳۵)

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''(قولِ شامیؒ: اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ناقض نہ ہو الخ)۔ یعنی پہلے قول کے مطابق وہ خون ناقض نہیں اور امام شامیؒ کا قول 'وإن المعتبر الخ' یعنی امام محمدؒ کے قول کے مطابق کیونکہ ان کا قول ناقض نہ ہونا ہے باوجودیکہ وہ نجس ہے اور وہ شخص جس کے جسم پر خون لگے اس پر پاک کرنا واجب ہے لیکن جس کے بدن سے نکلے اس پر واجب نہیں جیسا کہ عبارت و شرح میں آئے گا''۔ (۳۶)

علامہ احمد رضاؒ ''جدالممتار'' میں اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''قولِ شامیؒ: جسے حکم تطہیر لاحق ہے: یعنی: جب وہ ایسے مقام تک بہے جہاں اس کے اپنے بدن میں حکمِ تطہیر لاحق نہیں تو وضو نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی وہ خون ناپاک ہو گا اگرچہ کسی دوسرے کے بدن میں اس مقام پر خون بہے تو اسے حکمِ تطہیر لاحق ہو''۔ (۳۷)

''الجوہرہ النیرہ'' میں ہے: (ترجمہ) ''قولِ امام قدوریؒ: (خون ایسے مقام تک پہنچ جائے) تجاوز کی حد یہ ہے: کہ زخم کے سر سے نیچے اتر آئے۔ اور اگر خون اوپر چڑھے لیکن زخم کے سر سے نیچے نہ اترے تو وضو نہیں توڑے گا''۔ (۳۸)

''البحر الرائق'' میں خون کے تجاوز کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے: (ترجمہ) ''سبیلین [پیشاب اور پاخانہ کے مقام] کے علاوہ میں نکلنے والا اس شرط کے ساتھ ناقض ہو گا کہ ایسی جگہ تک پہنچ جائے جسے حکمِ تطہیر لاحق ہے، فقہاء نے اسی طرح فرمایا اور اس سے یہ مراد لیا کہ ایسی جگہ تک تجاوز کرے کہ جسم، کپڑے یا جگہ میں سے جس کی

طہارت واجب یا مستحب ہو، ہم نے حکم کی تفسیر اس سے کی جو واجب اور مستحب دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ ناک کے سخت حصے کی طہارت (وضو اور غسل دونوں میں) بالکل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اس لیے کہ غیر روزہ دار کے لیے استنشاق میں مبالغہ سنت ہے اور اس کی حد یہ ہے کہ اپنے نتھنوں سے پانی کھینچے اور ناک کے سخت حصے تک چڑھائے اور 'معراج الدرایہ' وغیرہ میں تصریح ہے کہ خون جب ناک کے بانسے تک اُتر آئے تو وضو توڑ دے گا اور 'بدائع' میں ہے: خون جب کان کے سوراخ تک اُتر آئے تو حدث ثابت ہو جائے گا، 'صحاح' میں صماخِ اذن کا معنی کان کا شگاف لکھا ہے اور یہ اسی لیے ہے کہ اس کو پاک کرنا غسل وغیرہ میں مستحب ہے اور اسی طرح اگر اس نے حجامہ کروایا جس سے کافی زیادہ خون نکلا اور بہا لیکن زخم کے سر سے نہ اترا، تو یہ وضو کو توڑ دے گا کیونکہ یہ ایسے کپڑے یا جگہ تک پہنچ گیا جسے حکمِ تطہیر لاحق ہے، پس اس سے آگاہ رہو کیونکہ اس سے بہت سے شارحین کا اعتراض دور ہو جائے گا۔۔ اور اس کی حد میں اختلاف ہے، 'محیط' میں ہے اس کی حد امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے زخم کے سرے پر چڑھے اور اسسے نیچے اتر آئے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک جب زخم کا سرا پھُول جائے اور زخم کے سر سے بڑا ہو جائے تو وضو توڑ دے گا اور صحیح پہلا [امام ابو یوسفؒ کا] قول ہے"۔ (۳۹)

"فتاوی رضویہ" میں امام شامیؒ کے برعکس زخم کے اندر بہنے والے خون کے بعض فقہاء کی جانب سے ناقض ہونے اور بعض کے جانب سے ناقض نہ ہونے کے متعلق ہے: "امام حلبی حلیہ میں لکھتے ہیں: سرِ زخم سے نکلنے والا (خون یا پیپ) ڈھلک آئے لیکن ورم کی ہوئی جگہ سے تجاوز نہ کرے بس اسی جگہ کے کسی حصے تک ڈھلک کر آیا ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا جبکہ اس شخص کو اس جگہ کا دھونا اور مسح کرنا ضرر دیتا ہو اور اگر دھونے یا مسح کرنے میں ضرر نہ ہو تو اسے ناقض ہونا چاہیے اس لیے کہ اسے حکم تطہیر لاحق ہے کیونکہ مسح بھی دھونے کی طرح شرعاً اس کی تطہیر ہے تو اس پر متنبہ رہنا چاہیے اھ"۔ "علامہ شامی کی فوائد مخصصہ میں سیدی عبد الغنی کی مقاصد ممحصہ کے حوالے سے آبلوں کے بیان میں ہے کہ انہوں نے سیلان کی تعریف اور اختلاف نقل کرنے کے بعد فرمایا: ان عبارتوں سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ خون، پیپ، پانی جب سر زخم پر چڑھے اور اس سے ہٹ کر بدن کی کسی صحت مند جگہ نہ بہے تو وضو نہ ٹوٹے گا، خواہ زخم بڑا ہو یا چھوٹا۔ (پھر کچھ عبارت کے بعد لکھا) اس کی تائید پھیلی ہوئی جراحت سے متعلق خزانۃ الروایات کی اس عبارت سے ہوتی ہے: جب خون ایک جانب سے نکلے اور دوسری جانب تجاوز کرے لیکن کسی تندرست جگہ نہ پہنچے تو وہ ناقض وضو نہیں، اس لیے کہ ایسی جگہ نہ پہنچا جسے حکم تطہیر لاحق ہوا اھ"۔ (۴۰)

"فتاوی رضویہ" میں امام شامیؒ کے برعکس زخم کے اندر بہنے والے خون کے ناقض ہونے کے متعلق ہے: "تو پھیلا ہوا ورم جو اوپر سے پھوٹ جائے جب پیپ اس کے سر سے نیچے اُتر آئے تو خروج، انتقال اور سیلان قطعاً متحقق ہو

گیا جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ سب ایک ہی معنی سے عبارت ہیں اور ہر گز کسی کو یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ ورم اگر کسی انسان کے ہاتھ میں شانے سے گٹّے تک کے حصے کو گھیر لے پھر شانے کے اوپر سے پھوٹے اور خون تیزی سے بہنے لگے یہاں تک کہ شانہ بھر جائے پھر بازو پھر کہنی پھر کلائی بھی بھر جائے ان سب کے باوجود خروج ثابت نہ ہو گا یہاں تک کہ خون تجاوز کر کے ہتھیلی پر آ جائے"۔ "عذر کے وقت حکمِ تطہیر لاحق نہیں، اس پر منع ظاہر ہے۔ یہ ہمیں تسلیم نہیں بلکہ حکم لاحق ہے مگر عذر ختم ہونے تک بالفعل اسے عمل میں لانے کا مطالبہ مؤخر ہو گیا ہے۔ اسی لیے جب عذر ختم ہو جائے تو حکم ظاہر ہو تا ہے تو یہ اس باب سے ہوا کہ سبب متحقق ہونے کی وجہ سے وجوب ثابت ہے اور وجوب ادا مؤخر ہے"۔ [۴۱]

"فتاوی رضویہ" میں عذر کے وقت زخم سے بہنے والے خون کے متعلق ہے: "اگر یہ ضروری ہے کہ اس قابل ہو کہ بالفعل تطہیر کو عمل میں لانے کا مطالبہ ہو تو جب انسان کو- پناہ بخدا- ایسی کوئی بیماری ہو جس کی وجہ سے اس کے جسم کے کسی حصے میں پانی لگنا مضر ہو، یہ شخص اگر فصد لگوائے تو حدث نہ ہو اور اگر اس کے سر میں چوٹ لگ جائے جس سے خون اس کے سر سے پاؤں تک بہے جب بھی وہ باوضو رہے۔ اور اس جوش مارتے ہوئے خون سے نہ اس کا بدن نجس ہو نہ کپڑا، بلکہ اگر کوئی دوسرا بھی اسے لے کر اپنے کپڑے میں لگا لے تو اچھا خاصا پاک و پاکیزہ رنگ ہو، اس لیے کہ جو حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں- اگر اس کی دو جانبوں میں سے ایک میں بیماری ہو ایسی صورت میں تندرست جانب میں مکھی کے سر برابر خون نکل آئے تو اس کا وضو باطل ہو جائے اور ماؤف جانب اگر فصد لگوائے اور کئی رطل خون نکل آئے تو کچھ نہ بگڑے وہ پاک ہی رہے جب کہ یہ بہتا ہوا خون ہے- یہ سب نہ معقول ہے نہ منقول، نہ باوجہ نہ مقبول، تو میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہر وہ جو شرعاً ظاہر بدن ہو اگرچہ بالفعل زوال عذر تک اس کی تطہیر عمل میں لانے کا مطالبہ مؤخر ہو گیا ہو"۔ "خدا کی رحمت ہو علامہ ابن کمال پاشا پر وہ ایضاح میں فرماتے ہیں: سال الی ما یطهر یعنی ایسی جگہ بہے جسے دھونا یا مسح کرنا عذر شرعی نہ ہونے کے وقت واجب ہو، یہ تعمیم ضروری ہے تا کہ حکم اس جگہ کو بھی شامل رہے جس سے کسی عذر کی وجہ سے حکمِ تطہیر ساقط ہو گیا ہے اھ"۔ [۴۲]

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو امام شامیؒ نے ایک مفروضہ ذکر فرمایا کہ زخم پر بہنے والا خون جب تک اس سے باہر نہ نکلے تو بعض نے کہا یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ پاک ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے اس کے پہلو میں نماز پڑھی اور اسے ایک درہم سے زائد یہ خون لگ گیا تو اس کی نماز ہو گئی، پھر اس پر ایک اصول ذکر فرمایا کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ناقض بھی نہ ہو کیونکہ وہ لگنے کے بعد بھی پاک رہا، کیونکہ ناقض ہونے کے لیے خون کا بہہ کر ایسی جگہ تک پہنچنا معتبر ہے جسے پاک کرنے کا مطالبہ ہے پھر "تأمل" کہہ کر اس پر غور کی دعوت دی۔ امام رافعیؒ نے امام محمدؒ کے

ناپاک ہونے والے قول کے مطابق فرمایا کہ جس کے جسم سے خون نکلے اس کے لیے پاک کرنا واجب نہیں لیکن جس کو لگے اس پر پاک کرنا واجب ہے۔ "جد الممتار" میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے، "الجوہرہ النیرہ" اور "البحر الرائق" میں بھی وضو ٹوٹنے کے لیے خون کا زخم کے سر سے اترنا ضروری قرار دیا گیا نیز "البحر الرائق" اور فقہ کی دوسری کتابوں میں یہی اصول ذکر کیا گیا جس پر امام شامیؒ نے ''تأمل'' کے ذریعے غور کی دعوت دی ہے کہ جو خون زخم سے باہر نہ نکلا ناقض نہیں کیوں کہ ناقض ہونے کے لیے خون کا بہہ کر ایسی جگہ تک پہنچنا معتبر ہے جسے پاک کرنے کا مطالبہ ہے، لیکن اگر خون زخم کے اندر رہی ہے اور اتنا زیادہ رس رہا ہے کہ بار بار صاف کرنا پڑ رہا ہے اور اگر صاف نہ کریں تو بہہ نکلے تو اس صورت میں وہ خون زخم سے نہ نکلنے کے باوجود ناقض ہو گا۔ "البحر الرائق" میں فصد لگوانے کے معاملے میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے، ''فتاوی رضویہ'' میں اس پورے مسئلے کو انتہائی عمدہ انداز میں بیان کرنے کے بعد امام شامیؒ کے اس مفروضہ "اگر کسی شخص نے اس کے پہلو میں نماز پڑھی اور اسے ایک درہم سے زائد یہ خون لگ گیا تو اس کی نماز ہو گئی'' کو امام حلبیؒ کے حوالے سے رد کر دیا گیا ہے، اس کے بعد علامہ ابن کمال پاشاؒ کے حوالے سے ناقض ہونے کے لیے اصول میں یہ اضافہ ضروری قرار دیا گیا "یعنی ایسی جگہ بہے جسے دھونا یا مسح کرنا عذر شرعی نہ ہونے کے وقت واجب ہو، یہ تعمیم ضروری ہے تاکہ حکم اس جگہ کو بھی شامل رہے جس سے کسی عذر کی وجہ سے حکمِ تطہیر ساقط ہو گیا ہے" لہٰذا اس اصل میں یہ اضافہ ضروری ہے تاکہ عام حالت میں زخم سے خون بہنے سے وضو ٹوٹنے اور عذر کے وقت اس کے ناقض ہونے میں فرق کیا جا سکے۔ واللہ اعلم بالصواب!

تَأَمّل نمبر ۹ پاخانہ کے مقام میں کوئی چیز ڈالنے سے وضو ٹوٹنے کی تفصیل

امام شامیؒ نے بیان فرمایا کہ کوئی بھی چیز مقعد یعنی پاخانہ کے مقام میں مکمل ڈال دی جائے تو وضو اور روزے کو توڑ دے گی لیکن انگلی کے بارے میں "الدر المختار" کی "کتاب الصوم" کی عبارت کی بنا پر یہ اعتراض فرمایا کہ اگر پوری انگلی پاخانہ کے مقام میں داخل بھی ہو جائے تو ہتھیلی کا باہر رہنا، ایک کنارہ باہر رہنے کی طرح ہونے کی وجہ سے اس صورت میں ناقض ہو گی جب اس پر تری لگی ہو۔ امام رافعیؒ نے "فتاوی قاضی خان" کے حوالے سے شارحؒ کی ذکر کردہ عبارت سے امام شامیؒ کے اس قول کو رد فرمایا کہ مکمل انگلی ڈالنے کی صورت میں بلا استثناء وضو ٹوٹ جائے گا، انگلی پر تری لگی ہو یا نہ ہو۔

امام شامیؒ "ردالمحتار" کی "کتاب الطہارۃ" میں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) "(قولِ شارحؒ: اگر اپنی انگلی اپنے پاخانہ کے مقام میں پوری داخل کر دی تو وضو اور روزہ باطل ہو جائیں گے)۔ 'شرح منیہ' میں ہے: اور ہر وہ چیز جسے پاخانہ کے مقام میں مکمل اندر ڈال دے پھر وہ چیز نکلے تو ناقض ہے اگرچہ اس پر تری نہ ہو کیونکہ یہ پیٹ میں جو کچھ

ہے اس کے ساتھ مل گئی لہٰذا روزہ ٹوٹ جائے گا بخلاف اس صورت کے، جب اس کا ایک کنارہ باہر ہو، اھ۔ 'شرح شیخ اسماعیل' میں 'الینابیع' سے یہ منقول ہے کہ: اور ہر وہ چیز جسے وہ اپنے پاخانہ کے مقام میں مکمل ڈالے اور پھر نکالے یا وہ خود ہی نکل آئے تو روزہ اور وضو دونوں کو توڑ دے گی، اور ہر وہ چیز جس کا کچھ حصہ اندر داخل کیا جب کہ اس کا ایک کنارہ باہر رہا تو وضو اور روزہ کو نہیں توڑے گی، اھ۔ میں کہتا ہوں: اس بنا پر انگلی سرنج [حقنہ کے آلہ] کی طرح ہونی چاہیے، لہٰذا اس میں تری کا اعتبار کیا جائے کیونکہ اس کا ایک کنارہ ہاتھ سے ملے ہونے کی وجہ سے باہر رہا، مگر یہ کہا جائے کہ جب انگلی ایک علیحدہ عضو ہے تو جب یہ مکمل داخل ہو تو علیحدہ عضو کی طرح اس کا اعتبار کیا جائے۔ لیکن جو باب الصوم میں آئے گا وہ مطلق ہے، اس میں آئے گا کہ اگر اس نے اپنے پاخانہ کے مقام میں لکڑی کا ٹکڑا ڈال دیا اور اسے مکمل اندر داخل کر دیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں، اگر اپنی انگلی اندر داخل کی تو مختار مذہب کے مطابق اگر تر ہے تو مفسد ہے ورنہ نہیں، غور کریں۔ اسی وجہ سے 'البدائع' میں کہا: یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ داخل ہونے والی چیز کا پیٹ میں ٹھہرنا، روزہ فاسد ہونے کی شرط ہے"۔ (۴۳)

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں:(ترجمہ) "(قولِ شامیؒ: میں کہتا ہوں: اس بنا پر ایسا ہونا چاہیے کہ الخ)۔ شارحؒ کی مذکورہ عبارت "قاضی خان" کے حوالے سے 'بحر' سے ماخوذ ہے، کہ اگر کسی نے اپنی انگلی اپنے پاخانہ کے مقام میں داخل کی لیکن پوری داخل نہ کی تو تَری اور بُو کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہی صحیح ہے نیز کہا: اس سے واضح ہوا کہ اگر پوری انگلی پاخانہ کے مقام میں داخل کی تو بلا استثنا ناقض ہے، اھ۔ یہ اصول معلوم ہے کہ کتب کے مفاہیم حجت ہوتے ہیں اور یہ اس کے منافی نہیں جو امام شامیؒ نے نقل کیا کیونکہ مکمل انگلی داخل کرنے سے غائب ہونا پایا گیا، اگرچہ اس کا ایک سرا ہتھیلی سے ملا ہوا ہے، تو صرف ہتھیلی سے ملا ہونا مکمل داخل ہونے کے منافی نہیں پس جب وہ انگلی نکالے گا تو وہ ناقض ہو گا اگرچہ اس پر تری نہ ہو کیونکہ یہ وضو ٹوٹنے کے حق میں پیٹ میں جو کچھ ہے اس سے مل گئی ہے نہ کہ روزہ ٹوٹنے کے حق میں۔ جیسا کہ وہ عنقریب اس میں ذکر کریں گے کہ کسی نے لکڑی کا ٹکڑا یا دھاگہ نگل لیا اگرچہ اس کے ساتھ ایک لقمہ بندھا ہوا ہو تو اگر اس کے حلق میں مکمل داخل ہو گیا تو روزہ ٹوٹ گیا، اگر پورا حلق میں داخل نہیں کیا بکہ اس کا ایک کنارہ باہر رہا یا کسی بیرونی چیز سے ملا ہوا ہے تو مکمل اندر داخل نہ ہونے کی وجہ سے فاسد نہیں ہو گا، 'بدائع' کی عبارت میں استقرار [ٹھہرنے] سے یہی مراد ہے، غور کریں''۔ (۴۴)

''البحر الرائق'' میں ہے:(ترجمہ) ''اگر اپنی انگلی اپنی شرمگاہ میں ڈالی اور پوری داخل نہ کی تو تری اور بُو کو اعتبار کیا جائے گا یہی صحیح ہے کیونکہ یہ مکمل داخل نہ ہوئی اسی طرح 'شرح قاضی خان' میں ہے اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر وہ انگلی اپنے پاخانہ کے مقام میں مکمل ڈال دے تو بلا استثناء وضو ٹوٹ جائے گا''۔ (۴۵)

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو امام شامیؒ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ کوئی بھی چیز پاخانہ کے مقام میں پوری داخل ہو جائے تو وضوٹوٹ جائے گا لیکن انگلی کے معاملے میں یہ کہا کہ اگر اپنی انگلی اندر داخل کی تو مختار مذہب کے مطابق اگر تر ہے تو مفسد ہے ورنہ نہیں، پھر ''تأمل'' کہہ کر اس پر غور کی دعوت دی، امام رافعیؒ نے شارحؒ کی ''فتاوی قاضی خان'' کے حوالے سے مذکورہ عبارت کی بنا پر اعتراض کیا کہ انگلی داخل کرنے میں تری کا اعتبار تب ہو گا جب مکمل داخل نہ کی، اگر پوری انگلی داخل کی تو بلا استثناو ضوٹوٹ جائے گا، امام شامیؒ نے ''باب الصوم'' کے حوالے سے جو ذکر فرمایا کہ انگلی میں تری کا اعتبار ہو گا تو وہ صرف روزہ ٹوٹنے کے بارے میں ہے وضو کے بارے میں نہیں اور شارحؒ کی عبارت وضوٹوٹنے کے بارے میں ہے۔ نیز ''البحر الرائق'' کی عبارت بھی امام رافعیؒ کی تائید کرتی ہے لہٰذا تری اور بُو کا اعتبار اس صورت میں ہو گا جب انگلی مکمل داخل نہ کی۔واللہ اعلم بالصواب!

تأمّل نمبر ۱۰ وضو اور غسل میں ناک کی رینٹھ، مہندی اور گارے کے نیچے پانی پہنچانے کا حکم

امام شامیؒ نے ''منیہ'' سے ''ذخیرہ'' کے حوالے سے بیان فرمایا کہ وضو میں مہندی، گارے اور میل کے مسئلہ میں ''ضرورت'' کی علت کی بنا پر دھونے کی بجائے صرف پانی پہنچانا کافی قرار دیا گیا، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے امام شامیؒ نے غسل میں ناک کی رینٹھ کے بارے میں فرمایا کہ اس میں بھی ضرورت کی بنا پر دھونا واجب نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا اس میں ''تأمل'' کہہ کر اس پر غور کی دعوت دی۔ امام رافعیؒ نے امام شامیؒ سے اختلاف فرمایا کہ مہندی، گارے اور میل میں پانی سرایت کر جاتا ہے لیکن ناک کے رینٹھ میں پانی سرایت نہ ہونے کی وجہ سے ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

امام شامیؒ ''ردالمحتار'' کی ''کتاب الطہارۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:(ترجمہ) ''(قولِ شارحؒ: مہندی طہارت سے مانع نہیں اگرچہ اسکا جرم بھی ہو، اسی پر فتوی ہے)۔ 'المنیہ' میں 'الذخیرہ' کے حوالے سے مہندی، گارے اور میل کے مسئلہ میں ضرورت کی علت کی بنا پر اس کی تصریح کی گئی ہے۔ 'المنیہ' کی شرح میں فرمایا: کیونکہ اس کے باریک ہونے نیز لیس دار [چپچپاہٹ والا] اور سخت نہ ہونے کی بنا پر پانی اس میں سرایت کر جاتا ہے اور ان تمام میں پانی کے سرایت کرنے اور بدن تک پہنچنے کا اعتبار کیا گیا ہے، اھ۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ واجب، تو دھونا ہے اور اس سے مراد قطرے ٹپکنے کے ساتھ پانی بہانا ہے جیسا کہ ارکانِ وضو میں گزرا[('الدر المختار' ارکانِ وضو کی عبارت) چہرے کا دھونا یعنی قطرے ٹپکنے کے ساتھ پانی بہانا اگرچہ ایک ہی قطرہ ٹپکے اور 'فیض' میں ہے اصح یہ ہے کہ کم از کم دو دو قطرے ٹپکیں]۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اشیاء پانی بہنے سے روکتی ہیں لہٰذا واضح طور پر ضرورت کو علت بنایا گیا ہے، لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناک کی رینٹھ میں مہندی اور گارے سے زیادہ ضرورت پائی جاتی ہے کیونکہ یہ

دونوں اس کی بنسبت جلد اپنے مقام سے الگ ہو جاتے ہیں باوجودیکہ پہلے گزر چکا کہ ناک کی رینٹھ کے نیچے کی جگہ دھوناواجب ہے پس اس میں بھی واجب نہ ہوناچاہیے، غور کریں"۔ (۴۶)

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) "(قولِ شامیؒ: باوجودیکہ پہلے گزر چکا کہ ناک کی رینٹھ کے نیچے کی جگہ دھوناواجب ہے پس اس میں بھی واجب نہ ہوناچاہیے)۔اس مسئلہ میں ایسانہیں کہاجاسکتا کیونکہ اس کے مخالف نص موجود ہے، دونوں مسئلوں میں فرق کی بنیادی وجہ میں غور وفکر کرناضروری ہے، بظاہر ان اشیاء میں پاک ہونے کی علت ضرورت ہی ہے، کیونکہ پانی بدن تک پہنچا اگرچہ وہ بہنے والانہیں، ناک کی رینٹھ کے برعکس، کیونکہ اس میں ضرورت توموجود ہے لیکن پانی نہیں پہنچا،اور دونوں مسئلوں میں یہی فرق ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے تنگ انگوٹھی کو حرکت دینے پر اکتفاء کیاہے حالانکہ وہ اپنے نیچے پانی بہنے سے روکتی ہے"۔ (۴۷)

"الفتاوی الہندیہ" میں ناک کی رینٹھ کے بارے فقہاء کا قول یوں نقل کیا گیاہے: (ترجمہ) "اور ناک میں خشک رینٹھ کی وجہ سے غسل مکمل نہیں ہوتا، 'زاہدی' میں اسی طرح ہے۔ اور ناخنوں میں خمیر رہ جانے سے بھی غسل نہیں ہوتا،اور میل کچیل میں غسل ہو جاتاہے،اس میں دیہاتی اور شہری دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور ناخنوں میں رہ جانے والی مٹی، اور گارا غسل سے مانع نہیں، آٹا گوندھنے والے اور رنگریز کے ناخنوں میں کچھ رہ جائے تو غسل نہیں ہوتا اور یہ کہا گیاہے کہ حرج اور ضرورت کی وجہ سے ان سب میں غسل جائز ہے،ضرورت کے مقامات شرعی قواعد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، 'ظہیریہ' میں اسی طرح بیان کیا گیاہے۔ اور کسی کے بدن کے ظاہری حصہ پر مچھلی کی جلد یاچبائی ہوئی ایسی روٹی لگی ہو جو خشک ہو چکی ہو پھر وہ غسل کرے اور اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو غسل جائز نہ ہو گا اور اگر اس کی جگہ مکھی یاپِسُو کی بیٹ لگی ہو تو جائز ہے"۔ (۴۸)

"البحر الرائق" میں ناک کی خشک رینٹھ کے بارے میں ہے: (ترجمہ) "اور ناک میں خشک رینٹھ چبائی ہوئی روٹی اور گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہے جس کی وجہ سے غسل مکمل نہیں ہوتا"۔ (۴۹)

"فتاوی رضویہ" میں ضرورت کے مقامات میں پانی نہ پہنچنے کے باوجود فرض ادا ہو جانے کے بارے میں ہے: "جس چیز کی آدمی کو عمومی طور پر یاخصوصی طور پر ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس کے ملاحظہ واحتیاط میں حرج ہے اس کا ناخنوں کے اندر یااوپر یااور کہیں لگارہ جانا اگرچہ جِرم دار ہو اگرچہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے، جیسے پکانے گوندھنے والوں کے لیے آٹا، رنگریز کے لیے رنگ کا جِرم، عورت کے لیے مہندی کا جرم، کاتب کے لیے روشنائی، مزدور کے لیے گارا مٹی، عام لوگوں کے لیے کوئے یاپلک میں سرمہ کا جِرم، بدن کا میل مٹی غبار، مکھی مچھر کی بیٹ وغیرہ کارہ جانا فرض اعتقادی کی ادا کو مانع نہیں۔ در مختار میں ہے: "طہارت سے مانع نہیں مکھی اور پِسُّو کی بیٹ جس کے نیچے پانی نہ پہنچا،

اور مہندی اگرچہ جِرم دار ہو، اسی پر فتوی ہے، اور میل، تیل، چکنائی، مٹی، گارا اگرچہ ناخن میں ہو۔ قول اصح پر مطلقاً یعنی دیہاتی ہو یا شہری، بخلاف گندھے ہوئے آٹے کے، اور رنگریز کے ناخن پر جو رنگ ہوتا ہے وہ مانع نہیں"۔ ردالمحتار میں ہے: "لیکن النہر الفائق میں ہے کہ اگر ناخنوں کے اندر خمیر رہ گیا ہو تو فتوی اس پر ہے کہ وہ معاف ہے اھ"۔ (۵۰)

"فتاوی رضویہ" میں جسم پر کوئی چیز لگی ہونے کی صورت میں بعض فقہاء کی طرف سے ضرورت کی صورت میں بدن تک پانی پہنچنے کا اعتبار کرنے اور بعض کی جانب سے پانی پہنچنے یا نہ پہنچنے کا اعتبار نہ کرنے کے بارے میں یوں بیان کیا گیا: "متعدد کتب معتمدہ مثلاً خلاصہ وجوہرہ نیرہ وحلیہ وغنیہ و درمختار وغیرہا میں وہ استثنا کہ ہاتھوں میں دوسرا اور پاؤں میں تیسرا تھا اس میں یہ قید لگائی کہ وہ چیز ایسی نرم ہو جس میں پانی سرایت کرسکے جیسے مٹی گارا نہ سخت اور نفوذ کو مانع جیسے آٹا، موم، چربی، جما ہوا گھی، مچھلی کا سنا، چبائی ہوئی روٹی، درمختار سے گزرا۔ بخلاف نحو عجین گندھے ہوئے آٹے جیسی چیز کے بر خلاف (ت) ردالمحتار میں قول شارح لایمنع دھن (مانع نہیں تیل، ت) کے تحت میں ہے: "یعنی جیسے زیتون کا اور تلوں کا تیل، چربی اور جمے ہوئے گھی کے بر خلاف۔ت"۔ اُسی میں بخلاف نحو عجین کے نیچے ہے ای کعلک وشمع وقشر سمک وخبز ممضوغ متلبد جوھرۃ (یعنی جیسے گوند، موم، مچھلی کا سنا، چبائی ہوئی چپکنے والی روٹی۔ جوہرہ) درمختار میں ہے: "کھانے کا ٹکڑا جو دانتوں کے درمیان یا جوف کے اندر رہ جائے وہ مانع نہیں، اسی پر فتوی ہے اور کہا گیا کہ اگر سخت ہو تو مانع ہے، اور وہی اصح ہے۔ت"۔ ردالمحتار میں ہے: "اسی کی تصریح خلاصہ میں فرمائی ہے اور کہا ہے، اس لیے کہ پانی لطیف ہوتا ہے غالب گمان یہی ہے کہ اس کے نیچے پہنچ جائے گا اھ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ جائز نہ ہو گا اگر یہ معلوم ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچا حلیہ میں کہا، یہ اثبت ہے قول درمختار وہی اصح ہے منیہ میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے، اس لیے کہ پانی نفوذ نہ کرسکے گا اور ضرورت وحرج بھی نہیں۔ت"۔ تو اس کا لحاظ مناسب ہے اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ مدار کار ضرورت وحرج عام یا خاص پر ہے اگر حرج نہیں طہارت نہ ہو گی اگرچہ پانی سرایت کرے کہ مجرد تری پہنچنا کافی نہیں بہنا شرط ہے، اور وہ قطعاً گارے وغیرہ جرم دار چیزوں میں بھی نہ ہو گا جب تک ان کا جرم زائل نہ ہو تو نرمی وسختی کا فرق بیکار ہے اور حرج وضرورت ہو اور طہارت کرلی اور ایسی چیز لگی رہ گئی اور نماز پڑھ لی تو معافی ہے اگرچہ سخت ومانع نفوذ ہو آخر مکھی مچھر کی بیٹ پر خود درمختار میں لم یصل الماء تحتہ (اس کے نیچے پانی نہ پہنچا۔ت) فرما کر حکم دیا کہ لایمنع الطھارۃ (طہارت سے مانع نہیں ہے۔ت) اور مہندی کے جرم کو بھی مانع نہ مانا اور فرمایا بہ یفتی (اسی پر فتوی ہے۔ت) حالانکہ اس کا جرم خصوصاً بعد خشکی یقیناً نفوذ آب کو مانع ہے۔ ولہذا ردالمحتار میں فرمایا۔"اس کی تصریح منیہ میں ذخیرہ کے حوالہ سے مہندی، مٹی، گارے اور میل کے مسئلہ میں ضرورت سے بیان علت کے ساتھ ہے۔ اسی کی شرح میں کہا: اس لیے کہ

پانی نفوذ کر جائے گا کیونکہ اس میں تخلل ہوتا ہے اور لزوجت وصلابت نہیں ہوتی۔ اور ان سب میں پانی کے نفوذ کر جانے اور بدن تک پہنچ جانے ہی کا اعتبار ہے اھ-لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ واجب دھونا ہے اور وہ تقاطر کے ساتھ پانی بہانے کا نام ہے جیسا کہ ارکان وضو میں گزرا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ چیزیں پانی بہنے سے مانع ہیں تو زیادہ ظاہر ضرورت سے بیان علت ہے۔ت"۔ قول مذکور خلاصہ "اس لیے کہ پانی لطیف چیز ہے الخ۔ت"۔ نقل کرکے فرمایا: یرد علیه ما قد مناه اٰنفااس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔(ت) لاجرم بعض مشائخ نے کہ ناخنوں کے میل میں فرق کیا کہ دیہاتی کے لیے اجازت ہے کہ اس کا میل خاک مٹی سے ہوگا اس میں پانی سرایت کر جائے گا اور شہری کو نہیں کہ اس کا میل چکنائی سے ہوگا، انہیں اکابر نے اس تفرقہ کو رد کر دیا، اور فرمایا، اصح یہ کہ دنوں یکساں ہیں۔ در مختار سے گزرا قرویا او مدنیا فی الاصح خواہ دیہاتی ہو یا شہری، یہی اصح قول ہے۔(ت) جب یہی قضیہ نظر اور یہی مفتی بہ تو اسی پر عمل اور یہی معول۔ "بخلاف چربی اور جمے ہوئے گھی کے مثل" کہنے سے غالبا علامہ شامی کی مراد یہ ہے کہ جہاں حرج اور ضرورت نہ ہو۔اس لیے کہ روغن اور تلوں کے تیل کا مسئلہ عام ہے صرف ضرورت پر محدود نہیں تو یہ افادہ کیا کہ چربی اس طرح کی نہیں-لیکن تعجب یہ ہے کہ انہوں نے پہلے جوہرہ سے گزشتہ عبارت نقل کی پھر النہر الفائق میں مذکورہ فتوی سے اس پر استدراک کیا (کہ لیکن نہر میں ہے کہ ناخنوں میں خمیر ہو تو فتوی یہ ہے کہ وہ معاف ہے) پھر اس کے بعد یہ لکھا کہ ہاں شرح منیہ میں خمیر سے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے اور مانع ہونے کو ظاہر کیا ہے کیونکہ اس میں لزوجت اور صلابت ہوتی ہے جو پانی کے نفوذ سے مانع ہوتی ہے اھ، شاید انہوں نے ماسبق پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں سکوت کیا۔ واللہ تعالی اعلم (ت)"۔[۵۱]

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو امام شامیؒ نے "منیہ" سے "ذخیرہ" کے حوالے سے بیان فرمایا کہ وضو میں مہندی، گارے اور میل کے مسئلہ میں ضرورت کی علت کی بنا پر دھونے کی بجائے صرف پانی پہنچانا کافی ہے، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے امام شامیؒ نے غسل میں ناک کی رینٹھ کے مسئلے کو لیا کہ ضرورت تو اس میں بھی پائی جارہی ہے کہ اس تک پانی پہنچانا مشکل ہے لہٰذا اس میں بھی دھونا واجب نہیں ہونا چاہیے۔ امام رافعیؒ نے امام شامیؒ سے دو وجوہات کی بنا پر اختلاف فرمایا: پہلی یہ کہ ناک کی رینٹھ کے معاملے میں فقہاء کا واضح قول موجود ہے کہ اس کو دھونا واجب ہے، "البحر الرائق" اور "الہندیہ" کی عبارات بھی امام رافعیؒ کے مؤقف کی تائید کرتی ہیں، لہٰذا ناک کی رینٹھ میں دھونے کی رخصت کے متعلق امام شامیؒ کا قول اگرچہ قابلِ غور ہے کہ ناک کی رینٹھ تک پانی پہنچانا مشکل ہے لیکن اس بارے میں فقہاء کا واضح قول موجود ہے کہ اس کو دھونا واجب ہے نیز کسی فقیہ نے ناک کی رینٹھ کے معاملے میں ضرورت کو علت قرار نہیں دیا لہٰذا اس معاملے میں فقہاء کے قول پر ہی عمل کیا جائے گا۔ امام رافعیؒ نے اختلاف کی

دوسری وجہ یہ ذکر فرمائی کہ مہندی، گارے اور میل میں پانی سرایت کر جاتا ہے لیکن ناک کی رینٹھ میں پانی سرایت نہ ہونے کی وجہ سے ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ امام رافعیؒ کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ "فتاوی ہندیہ" میں "ظہیریہ" کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ "ضرورت کے مقامات شرعی قواعد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں" یعنی جب ضرورت پائی جارہی ہے تو پانی پہنچنے یا نہ پہنچنے کا اعتبار نہیں ہو گا، "فتاوی رضویہ" میں بھی مختلف کتب کے حوالے سے یہی ثابت کیا گیا ہے، مثلاً مکھی اور مچھر کی بیٹ کے بارے میں فقہاء نے تصریح فرمائی کہ اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا لیکن ضرورت کی بنا پر اسے دھونے سے استثنا دیا گیا۔ ناک کی رینٹھ میں فقہاء میں سے کسی نے ضرورت کی نشاندہی نہیں فرمائی لہٰذا اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری ہو گا، نیز گارے، آٹے وغیرہ کا خیال نہ کیا جائے تو اسے اتارنا مشکل ہوتا ہے لیکن ناک کی رینٹھ اتارنے اور اسے دھونے میں اتنی مشقت نہیں شاید اسی بنا پر عدمِ ضرورت کی وجہ سے فقہاء نے اسے اتار کر اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری قرار دیا۔ واللہ اعلم بالصواب!

تأمّل نمبر ۱۱ غسل کی ابتدا میں تسمیہ پڑھنے کا حکم

امام شامیؒ نے علامہ شرنبلالیؒ کے حوالے سے غسل میں برہنہ ہونے اور نیز غسل خانہ میں نجاست و گندگی کی وجہ سے کلام اور دعا نہ کرنے کا قول نقل کر کے شارحؒ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے تسمیہ کا شمار غسل کی سنتوں میں کیا حالانکہ برہنہ حالت اور گندگی کے مقام میں علامہ شرنبلالیؒ تسمیہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ امام رافعیؒ فرماتے ہیں: "تسمیہ غسل کے شروع میں پڑھتے ہیں اور کیچڑ وغیرہ تو غسل کا پانی گرنے سے بنتا ہے لہٰذا کیچڑ اور گندگی نہ ہونے کی وجہ سے تسمیہ پڑھ سکتے ہیں"۔

امام شامیؒ "ردالمحتار" کی "کتاب الطہارۃ" میں تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) "(قولِ شارحؒ: اور غسل کے آداب وضو کے آداب کی طرح ہیں)۔ 'البدائع' میں اس پر نص قائم کی ہے: علامہ شرنبلالیؒ نے کہا: اور غسل میں بالکل گفتگو نہ کرنا مستحب ہے، عام گفتگو تو برہنہ حالت میں مکروہ ہے، اور دعا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ استعمال شدہ پانی کے گرنے، گندگی اور کیچڑ کی جگہ ہے، اھ۔ میں کہتا ہوں: شارحؒ نے تسمیہ کا شمار غسل کی سنتوں میں کیا تو علامہ شرنبلالیؒ کی یہ عبارت ان پر بطور اعتراض وارد ہوتی ہے، غور کریں۔ 'الحلبہ' میں 'صحیح مسلم' کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے ساتھ برہنہ حالت میں گفتگو نہ کرنے پر اعتراض کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: 'میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جو میرے اور آپ کے درمیان ہوتا تھا آپ مجھ سے جلدی کرتے حتی کہ میں کہتی میرے لیے (بھی پانی) چھوڑیں' اور 'النسائی' کی روایت میں ہے 'آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے جلدی کرتے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی کرتی حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے میرے لیے چھوڑو اور میں کہتی

میرے لیے چھوڑیں' پھر اس طرح جواب دیا کہ یہ بیان جواز پر محمول ہے یا سنت اس کلام کا ترک کرنا ہے جس میں بظاہر مصلحت نہ ہو۔ میں کہتا ہوں: یامراد محض برہنہ حالت میں کراہت ہے جیسا کہ سابق تعلیل نے اس کا فائدہ دیا ہے، اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حالت سے ظاہر ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم برہنہ حالت میں غسل نہیں فرماتے تھے''۔(۵۲)

امام رافعیؒ اس ''تأمل'' کی وضاحت میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) (''قولِ شامیؒ: میں کہتا ہوں: شارحؒ نے تسمیہ کا شمار غسل کی سنتوں میں کیا تو علامہ شرنبلالیؒ کی یہ عبارت ان پر بطور اعتراض وارد ہوتی ہے)۔ بظاہر دوسری عبارت کے عموم سے تسمیہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، اس علت کی دلیل 'فلأنه فی مصب إلخ' کا قول ہے، اس لیے کہ تسمیہ کے وقت نہ پانی استعمال ہوا، نہ گندگی پائی گئی اور نہ ہی کیچڑ بنا''۔(۵۳)

''الجوہرہ النیرہ''میں غسل کی ابتدا میں تسمیہ پڑھنے کے بارے میں ہے: (ترجمہ) ''اور غسل میں دل میں نیت سے ابتدا کرنا سنت ہے، اور اپنی زبان سے کہے: 'میں جنابت دور کرنے کے لیے غسل کی نیت کرتا ہوں'، پھر ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھے، پھر استنجا کرے، پھر جو نجاست لگی ہو اسے دھوئے''۔(۵۴)

''البحر الرائق''میں برہنہ حالت یا گندگی والی جگہ پر تسمیہ نہ پڑھنے کے بارے میں ہے: (ترجمہ) ''اور استنجا سے پہلے اور بعد میں تسمیہ پڑھے، یہی صحیح ہے مگر برہنہ ہو یا گندگی والی جگہ پر ہو تو تسمیہ نہ پڑھے، ''خانیہ''میں اسی طرح ہے''۔(۵۵)

''الجوہر النیرہ'' میں غسل کی ابتدا میں برہنہ ہونے کی حالت میں دل میں تسمیہ پڑھنے کے بارے میں ہے: (ترجمہ) ''اگر استنجا سے پہلے تسمیہ پڑھنا چاہے تو برہنہ ہونے سے پہلے پڑھے، اگر تسمیہ پڑھنے سے پہلے برہنہ ہو گیا تو دل میں تسمیہ پڑھے اور زبان کو حرکت نہ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کی وجہ سے برہنہ حالت میں اللہ کا ذکر نہ کرنا مستحب ہے''۔(۵۶)

مذکورہ بالا بحث پر غور کریں تو شارحؒ نے غسل میں تسمیہ کے سنت ہونے کو بیان کیا، امام شامیؒ نے علامہ شرنبلالیؒ کے حوالے سے برہنہ حالت میں کلام کرنے اور گندگی اور کیچڑ والی جگہ میں دعا کے مکروہ ہونے کو نقل کیا پھر شارحؒ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے تسمیہ کو غسل میں سنت کہا ہے حالانکہ غسل میں انسان برہنہ بھی ہوتا ہے اور غسل خانہ مستعمل پانی گرنے نیز کیچڑ اور گندگی کی جگہ ہے، امام رافعیؒ نے اعتراض کے ایک حصے کا جواب تو دے دیا کہ تسمیہ تو غسل کی ابتدا میں پڑھتے ہیں اور کیچڑ اور گندگی وغیرہ تو غسل کا پانی گرنے سے بنتی ہے، غسل سے پہلے کیچڑ اور گندگی نہیں ہوتی لہٰذا تسمیہ پڑھنے میں حرج نہیں، نیز آج کل غسل خانے عموماً پختہ اور صاف ستھرے ہوتے ہیں ان میں گرنے والا پانی بہہ جاتا ہے لہٰذا بظاہر یہ اعتراض تو ختم ہو گیا، امامشامیؒ نے برہنہ حالت میں تسمیہ پڑھنا کو بھی

مکروہ قرار دیا لیکن امام رافعیؒ نے اس کا تذکرہ نہ فرمایا۔ ''الجوہرہ النیرہ'' اور ''البحر الرائق'' میں غسل کی ابتدا میں تسمیہ کے سنت ہونے کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ''البحر الرائق'' میں برہنہ حالت اور ناپاک جگہ میں تسمیہ سے منع کیا گیا ہے اور ''الجوہرہ النیرہ'' میں بھی برہنہ حالت میں تسمیہ نہ پڑھنے کو مستحب کہا گیا ہے پھر تطبیق کی ایک صورت بھی دی گئی کہ اگر برہنہ ہو تو دل میں تسمیہ پڑھ لے، زبان کو حرکت نہ دے لہٰذا غسل کی ابتدا میں شارحؒ کے قول کے مطابق تسمیہ پڑھے، اگر برہنہ ہو تو دل میں ورنہ زبان سے پڑھ لے، لیکن ''البحر الرائق'' میں علامہ شرنبلالیؒ کی طرح گندگی والی جگہ میں تسمیہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے تو اگرچہ امام رافعیؒ کے مطابق غسل سے پہلے گندگی نہیں ہوتی مگر غسل خانہ کے گندگی والا مقام ہونے میں تو کلام نہیں، میرے ناقص خیال میں یہاں بھی وہی طریقہ بہتر ہے جو ''الجوہرہ النیرہ'' میں برہنہ ہونے کی صورت میں دل میں تسمیہ پڑھنے کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے لہٰذا برہنہ حالت کی طرح گندگی والی جگہ میں بھی دل میں تسمیہ پڑھنا بہتر ہے۔واللہاعلمبالصواب !

مراجع وحواشی

(۱) معلوف، لوئیس (م) بلیاوی، عبدالحفیظ، علامہ، المنجد عربی اردو (۲۰۰۲ء)، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۴۵

(۲) قاسمی، وحید الزمان، علامہ، القاموس الوحید (۱۴۲۲ھ)، ادارہ اسلامیات، ۱۳۴،۱

(۳) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ردالمحتار علی الدر المختار، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ۱۸۸،۱

(۴) رافعی، عبدالقادر، امام، ۱۸۸،۱

(۵) حصکفی، محمد علاؤالدین، امام، الدر المختار علی متن تنویر الابصار مع ردالمحتار، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ۱۸۹،۱

(۶) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۱۹۰،۱ (۷) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۱۹۱،۱

(۸) رافعی، عبدالقادر، امام، ۱۹۱،۱

(۹) شیخ نظام، علامہ وجماعۃ من علماء الفتاوی الہندیہ، المکتبہ التجاریۃ مصطفی احمد الباز مکۃ المکرمۃ، ۲،۲۶۹

(۱۰) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، امام، البحر الرائق شرح کنزالدقائق، دار الکتاب الاسلامی، ۲۵۱،۱

(۱۱) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۱۹۸،۱ (۱۲) رافعی، عبدالقادر، امام، ۱۹۸،۱

(۱۳) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۲۴۶،۱ (۱۴) رافعی، عبدالقادر، امام، ۲۴۶،۱

(۱۵) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، امام، البحر الرائق شرح کنزالدقائق، ۱۸،۱

(۱۶) الحدادی، ابی بکر بن علی، امام، الجوہرہ النیرہ علی مختصر القدوری، قدیمی کتب خانہ، ۲۹،۱

(۱۷) ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، امام، شرح فتح القدیر، دار الفکر بیروت، ۲۱،۱

(۱۸) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ردالمحتار علی الدر المختار، ۲۴۳،۱

(۱۹) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، فتاوی رضویہ (۱۴۲۷ھ)، رضا فاؤنڈیشن، ۱۔ب، ۸۰۱

(۲۰) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۵۱۲،۲ (۲۱) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۲۵۱،۱

(۲۲) رافعی، عبدالقادر، امام، ۲۵۱،۱

(۲۳) الطحطاوی، احمد بن محمد بن اسماعیل، امام، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ۱۴۱۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۴۴،۱

(۲۴) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۱،۲۵۵ (۲۵) رافعی، عبد القادر، امام، ۱،۲۵۶
(۲۶) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، جد الممتار علی رد المحتار (۱۴۳۵ھ)، مکتبۃ المدینہ کراچی، ۱، ۳۵۰
(۲۷) الطحطاوی، احمد بن محمد بن اسماعیل، امام، ۱،۷۰
(۲۸) سید امیر علی، مولانا و محمد انوار الحق قاسمی، مولانا، عین الہدایہ جدید (۲۰۰۳ء)، دار الاشاعت کراچی، ۱،۲۰۸
(۲۹) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۱، ۲۷۹ (۳۰) رافعی، عبد القادر، امام، ۱،۲۷۹
(۳۱) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، جد الممتار علی رد المحتار، ۱، ۳۶۰
(۳۲) ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابو داؤد، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱،۴۵
(۳۳) ملا علی القاری، علی بن محمد، امام، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (۱۴۱۴ھ)، دار الفکر بیروت، ۲،۴۱۷
(۳۴) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، فتاوی رضویہ، ۱ -الف، ۳۲۵
(۳۵) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، رد المحتار علی الدر المختار، ۱،۲۸۶
(۳۶) رافعی، عبد القادر، امام، ۱،۲۸۶ (۳۷) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، ۱، ۴۰۱
(۳۸) الحدادی، ابی بکر بن علی، امام، الجوہرہ النیرہ علی مختصر القدوری، ۱،۳۰
(۳۹) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، امام، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۱،۳۳
(۴۰) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، فتاوی رضویہ، ۱ -الف، ۴۳۵
(۴۱) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، ۱ -الف، ۴۴۳ (۴۲) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، ۱ -الف، ۴۴۸
(۴۳) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، ۱،۳۰۷ (۴۴) رافعی، عبد القادر، امام، ۱،۳۰۷
(۴۵) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، امام، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۱،۳۱
(۴۶) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، رد المحتار علی الدر المختار، ۱،۳۱۶ (۴۷) رافعی، عبد القادر، امام، ۱،۳۱۶
(۴۸) شیخ نظام، علامہ و جماعۃ من علماء، الفتاوی الہندیہ، ۱،۱۳
(۴۹) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، امام، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۱،۴۹
(۵۰) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، فتاوی رضویہ، ۱ -الف، ۲۶۹ (۵۱) اعلیحضرت، احمد رضا، امام، -الف، ۲۸۹
(۵۲) شامی، سید محمد امین عابدین، امام، رد المحتار علی الدر المختار، ۱،۳۱۹
(۵۳) رافعی، عبد القادر، امام، تقریرات الرافعی مع رد المحتار، ۱،۳۱۹
(۵۴) الحدادی، ابی بکر بن علی، امام، الجوہرہ النیرہ علی مختصر القدوری، ۱،۴۷
(۵۵) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، امام، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۱،۱۹
(۵۶) الحدادی، ابی بکر بن علی، امام، ۱،۲۹